رسائل
۲۷۹

ابوالفضل العباس نمبر

السلام علیک یا ابا الفضل العباس



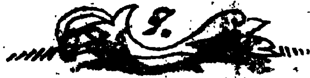
موجوں نے بہت کچھ کوشش کی عباس بھلا اور رک جاتے
دریا نے قدم سے لگ کے کہا، پیاسے ہی کی اونچی بات رہی

ایڈیٹر سید ظفر عباس فضل





حسینی شاعر حضرت فضل لکھنوی کے بالکل نئے نوحوں کی یہ دو بیاضیں ہیں



جو

لکھنؤ کے مشہور نظامی پریس میں چھپ رہی ہیں

اور

محرم کو تیار ہو جائیں گی۔ آج ہی آرڈر بھیجئے ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا
دونوں بیاضوں کے نوحوں کے چند مطلعے درج ذیل ہیں جس سے آپکو نوحوں کا اندازہ ہو جائیگا

عاشور کی شب کا سناٹا جب اشکوں کی برسات رہی
لیلا نے نظر کی اکبر پر جب کچھ کچھ باقی رات رہی

کسی بیکس کا حق کو یاد کرنا
حدود صبر میں فریاد کرنا

اے مالکِ غم موجدِ تعزیہ زمانہ | ہے رنگ ترے خون کا دنیا سے یگانہ
سینہ ہے ترا علمِ نبوت کا خزانہ | چمکے گا شفق بن کے ہمیشہ یہ فسانہ

خوں دل سے ابلتا ہے تو کھنچ جاتی ہے تصویر
تیرہ سو برس بعد بھی یاد آتے ہیں شبیر

عاشور کا وہ دن وہ لہو کھولتا ہوا | وہ انقلاب دہر کا پردہ اٹھا ہوا

آنکھوں میں دلکا خون ہے اور دل میں خون یاس | شہ یاد کر رہے ہیں اکبر کی نوجوانی
یوں رنگِ نبوت ملتا ہے شبیر کے خونی دھاروں میں | احمد کا لہو ہے تیروں میں احمد کا لہو تلوار

ان دونوں بیاضوں میں متعدد لاجواب نوحے درج ہیں قیمت دونوں بیاضوں کی ایک روپیہ (عہ) ہے۔ منیجر نظامی پریس لکھنؤ

نظارہ لکھنؤ (ابوالفضل العباس نمبر)





السلام علیک یا ابوالفضل العباس (علیہ السلام)



نجف اشرف



فہرست مضامین

مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
اڈیٹوریل	اڈیٹر	۲
دقیل ہند کا مرثیہ	مولانا محمد محسن صاحب	۴
افسانۂ زندگی	شبیر عباس صاحب منعم	۹
شہید مظلوم کی دولت	جناب عمدۃ العلماء	۱۰
کربلا کی جنگ کا فاتح	جناب سید العلماء	۱۲
شہ زورِ عالی مکان	محمد عادل صاحب	۱۳
انفاس قدسی	قدسی عباسی	۱۳
عباسؑ ابن علیؑ	منظر صاحب	۱۴
ڈھارس	فضل	۱۵
زمزمۂ ہندی	ساحل بلگرامی	۱۷
روایات	نفیس بانو صاحبہ	۱۸
فتح حق و شکست باطل	مولانا محمد محسن صاحب	۲۱
حضرت عباسؑ ابن علیؑ	شوکت صاحب ساہوی	۲۲
محراب خنجر	نواب اختر حسین صاحب	۲۳
پارۂ غنیم	محمد عباس صاحب صفوی	״
سکۂ اقلیم شجاعت	محمد محسن صاحب بدر	۲۴
شہادت حسینؑ حیات اسلام کی ذمہ دار ہے	مولانا مرتضیٰ حسین صاحب	۲۸
پیاسوں کی فتح	جناب عماد العلماء	۳۲
بہن اور بھائی	بیباکؔ ہاپلی	۳۶
پیکر وفا	خندانؔ صاحب	۴۲
شہادت حسینؑ قرآن کی روشنی میں	کمالؔ عظیم آبادی	۴۳
زنجیر طلاوی	کیفیؔ صاحب	۴۵
مرجائیے یا حسینؑ کہتے کہتے	مولانا سید محمد مصطفیٰ صاحب	۴۶
ابوالفضل العباسؑ	سید محمد عباس صاحب	۴۸
اساس نظام عالم	ڈاکٹر سجاد حسین صاحب	۴۹
افضل الشہداء	مولانا غالب حسین صاحب	۶۵
مرقع وفا	جناب واصفؔ	۶۹
عباسؑ کی اطاعت	مولانا سید کلب عابد صاحب	۷۰
سیرت زینبیہ	جناب حکیم محمد قاسم صاحب اخترؔ	۷۳
ام البنینؑ کا باوفا لال	معراجؔ بلگرامی	۷۵
ہزار کعبہ ایماں بنا دیئے تم نے	ثامنؔ نقوی	۷۷
فلک وفا کا خورشید خاور	مولانا عنایت حسین صاحب	۷۸
مختلف سلام و نوحے وغیرہ	.. ..	۸۱
بشارات و تصاویر	.. ..	تا ۹۶

۷۸۶
نظارہ لکھنؤ
جلد ۱۳ | ۷ر جنوری ۱۹۴۳ء | نمبر (۱)

تنقید ۱۹۴۳

معجزہ کہیئے!

سچ پوچھئے تو ہماری خود بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ نمبر کیسے نکلا ؟ ۔ سال گزشتہ تک کاغذ گراں ضرور تھا لیکن اتنا نہیں جس قدر کہ اب ہے۔ پھر صرف گرانی ہی نہیں بلکہ کاغذ کی نایابی اور اسکی تلاش یہ اور بھی سخت امتحان تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ان تمام مصیبتوں کو حسینؑ اور عباسؑ کی محبت نے آسان کر دیا اور اس کو حضرت کا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ ہماری تو صرف اتنی ہی کوشش ہے لیکن نظارہ کے ان غریب معاونین کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی مالی امداد نے ہماری محنت کو ٹھکانے لگایا ۔ (جن کے اسمائے گرامی گزشتہ نمبر میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور باقی اس نمبر میں دیئے جا رہے ہیں) ان حضرات کو حقیقی اجر خود دربار ابوالفضل العباسؑ سے ملے گا (انشاء اللہ)۔

آپ یقین جانئے کہ جن عاشقان عباسؑ نے اس نمبر کی مدد بخشی ہے ان میں کوئی راجہ صاحب شامل نہیں ہیں۔ ہمارے پاس اتنا وقت تھا کہ ہم اس متبرک نمبر کا کام چھوڑ کر راجہ صاحبان کی خوشامد کرتے۔

سرکار سعید الملۃ مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ چشم و چراغ سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ کا دلی شکریہ ادا کرنا بھی لازمی ہے اس لئے کہ آپ نے ہماری بغیر کسی یاد دہانی کے اس متبرک نمبر کی اسی طرح مدد فرمائی جس طرح سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ رقم عطیہ کی تعداد دو گنی تھی۔ یعنے وہ رقم بھی عطا فرمائی جو سرکار مرحوم عطا کرتے تھے اور وہ رقم بھی خود دیتے تھے۔ یہ نمبر سرکار سعید الملۃ مدظلہ العالی کی تحریک ہی سے چھ سال قبل سے میں نے نکالنا شروع کیا۔ اور اس نمبر کے محرک و بانی سرکار موصوف ہی ہیں۔

معاونین ابوالفضل العباسؑ نمبر

حقیقت یہی ہے کہ اگر نظارہ کو چاہنے والے اور عاشقان عباسؑ حسینؑ اس نمبر کی مدد نہ فرماتے تو ہمارے بس کی بات نہ تھی کہ سیکڑوں روپے کا غذ و طباعت و کتابت کے لئے فراہم کر سکتے۔ گزشتہ پرچے میں بھی اس نمبر کے معاونین کی فہرست شائع کی جا چکی ہے اور باقی اسمائے گرامی ذیل میں دلی شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

جناب حیدر علی صاحب اینڈ سنز کنٹریکٹرز و انجینیئرز جناب ڈاکٹر سید اشتیاق حسین صاحب رضوی، جناب سلطان علی خاں صاحب رئیس جناب سید غلام حیدر خاں صاحب تعلقدار، جناب سید علی حسن صاحب ضلعدار، جناب سید امیر حسین صاحب بلگرامی تحصیلدار، جناب حکیم سید آغا حسن صاحب متوٓلی (امامباڑہ) جناب میاں شکور علی صاحب ٹھیکیدار، جناب شہید یار جنگ بہادر المتخلص شہید، جناب رسول ابن محمد علی صاحب، جناب پرنس محمد عباس صاحب صفوی، سرکار سعید الملۃ مدظلہ العالی، جناب محمود آغا صاحب تعیر لکھنوی۔

مذکورۂ بالا معاونین کے علاوہ جن حضرات کے وعدے ہیں اور چندے وصول نہیں ہوئے ان کے اسمائے گرامی آئندہ نمبر میں انشاء اللہ بصد شکریہ شائع کئے جائیں گے۔

(نفضل نقوی)

"دعبل ہند" کا نوحہ
اور
مرثیہ

از جناب مولانا سید محمد محسن صاحب بدر نبیرۂ حضرت حجۃ الاسلام مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ

میرے خیال میں پونے تین کروڑ شیعوں میں بہت کم ایسے حضرات ہوں گے جو دعبل ہند حضرت ذاخر لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کو ان کے مراتب جلیلہ کے لحاظ سے نہ جانتے ہوں اس لئے اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں ان کا تعارف کراؤں لیکن.... اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ خاندانی اعتبار سے اس شجر اجتہاد کا ایک خوشنما پھول تھے جس نے دنیائے تشیع کو صدیوں اپنی خوشبو سے مہکایا۔

دعبل ہند حضرت ذاخر ۱۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد جناب سید وارث حسین صاحب رئیس روحنۂ نصیر آباد ضلع رائے بریلی تھے۔ دعبل ہند کا سلسلۂ نسب ۲۹ پشتوں کے بعد امام علی النقی علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ تعلیمی سلسلہ کے اٹھارہ سال عراق میں بسر ہوئے جہاں سے علم کے دریا دنیا میں بہتے ہیں دعبل ہند حضرت ذاخر کی پرورش ان کے حقیقی ماموں نواب میر اصغر حسین صاحب فاخر اعلی اللہ مقامہ نے فرمائی صرف پرورش ہی نہیں بلکہ انھوں نے بچپنے ہی سے رموز و نکات شاعری تعلیم کر دیئے اور جب حضرت دعبل ہند کی عمر تقریباً بتیس سال کی ہوئی تو ان کو اپنی ہی زندگی میں یہ اجازت دیدی کہ تم اپنے تلامذہ کو مشورۂ سخن دے سکتے ہو۔ حضرت دعبل ہند میں چونکہ خاندانی ذہانت موجود تھی اس لئے وہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگے اور چالیس سال کی عمر میں انھوں نے صف اساتذہ میں اپنی ممتاز جگہ پیدا کر لی قبل اس کے کہ میں حضرت دعبل ہند کے متعلق اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کروں یہ لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اولاً تو میں اپنے خیالات کا خود ذمہ دار ہوں دوسرے میں دعبل ہند کے کلام کا تقابل نہ کسی گزشتہ شاعر سے کرنا چاہتا ہوں نہ موجودہ کیونکہ خود دعبل ہند کا خلوص مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ دنیا کی عام تنقیدی رسم کے ماتحت میں ان کا کلام بھی پیش کروں وہ محب اہلبیتؑ خلیق ملنسار اور وضع کے انتہائی پابند بزرگ تھے اصناف سخن میں وہ ہر صنف پر اس طرح قادر تھے کہ یہ انسان یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ وہ نوحہ اچھا کہتے تھے یا نوحہ سے مرثیہ۔ سلام اچھا ہوتا تھا یا سلام سے رباعی۔ غزل اچھی کہتے تھے یا قصیدہ ـــ وہ اصناف سخن میں ہر صنف میں استاد تھے اور ہر صنف میں ان کے تلامذہ جداگانہ تھے۔ یعنے اگر مثنوی میں جناب سید ناظر حسن صاحب ہوشؔ بلگرامی نے اُن سے اصلاح لی تو مرثیہ میں جناب اشتیاق حسین صاحب سہیلؔ اور فیروز شاہ صاحب وغیرہ مشورہ حاصل کرتے رہے غزلوں میں اگر جناب لڈن صاحب بہار۔ بہزاد۔ سحر۔ گہر۔ نامی۔ بیکس۔ بشاش۔ اختر۔ شعرا وغیرہ نے زانوئے ادب تہ کیا تو نوحہ میں شگفتہ۔ وصہبا وغیرہ نے تلمذ کا فخر حاصل کیا آج بھی دنیائے ادب کی فضا میں دعبل ہند حضرت ذاخر اعلی اللہ مقامہ کا اسم گرامی چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ آہ دس برس

پہلے یہ آفتاب شعر و سخن اپنی شعاعوں سے دنیائے ادب کو جگمگا رہا تھا اور آج اپنے ممدوح آقائے دو جہاں حسین ابن علیؑ کی خدمت میں ہے۔ میرے تمہیدی اگرچہ اختصار کے بعد بھی آگے بڑھ گئے اور میں نے بہت چاہا کہ اپنے مطلب پر جلد آ جاؤں لیکن ایسا نہ ہو سکا کہ دعبل ہند کے فضل و کمال کو کہاں تک مختصر کروں۔

میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ ان کے تمام اصناف سخن میں سے ہر صنف کلام پر علیحدہ تبصرہ کروں لیکن چونکہ یہ نمبر محرم نمبر ہے اس لئے غزلوں، نظموں وغیرہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے کلام میں سے صرف رباعیاں سلام، مرثیہ اور نوحے کو لکھتا ہوں چنانچہ سب سے پہلے ان کی تین رباعیاں ملاحظہ کیجئے۔ اگرچہ تینوں رباعیاں بارہا شائع ہو چکی ہیں لیکن میرے پاس اس وقت انکی دوسری رباعیاں موجود نہیں ہیں اور اتنا وقت بھی نہیں کہ میں جناب فضل مدیر نظارہ (خلف حضرت دعبل ہند) سے حاصل کر کے لکھوں، چنانچہ میرے خیال میں تو صنف رباعی میں نمونۂ کلام کی حیثیت سے ان کی یہ تین رباعیاں ہی ان کے استاد ہونے کا ثبوت ہیں۔

رباعی

احمد کو جو اللہ نے شاہی دیدی
ہر چیز انہیں تا ماہ و ماہی دیدی
شک لائے جو اعجاز نبیؐ میں کافر
مہتاب نے دو ہو کے گواہی دیدی

(۲)

ہم بازوئے شہ کی جو وفا کہدیں گے
زینت دہ بزم شہدا کہدیں گے
عباسؑ کو ہم صورت حیدرؑ نہ کہو
سن لیں گے نصیری تو خدا کہدیں گے

(۳)

یا رب مرے مرنے کو فسانہ کر دے
سمت شہ مظلوم روانہ کر دے
حسرت ہے کہ ہوں دفن تہ خاک شفا
مٹی مری تسبیح کا دانہ کر دے

مذکورۂ بالا رباعیوں کے متعلق میں خود کچھ اظہار رائے نہیں کرنا چاہتا میرا فرض تو یہ ہے کہ ہر صنف سخن میں سے ان کے کلام کا نمونہ پیش کر کے یہ بتاؤں کہ وہ ہر صنف میں استاد اور قادر الکلام تھے۔ رباعیوں کے پڑھنے کے بعد آپ کو خود اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اب سلام کے چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

عہد پیری کی زمانہ میں کہانی رہ گئی
پتلیوں میں کھنچ کے تصویر جوانی رہ گئی
عرش تک جا کر پلٹ آیا جو فرد مصطفےٰ
ملگجی ہو کر قبائے آسمانی رہ گئی
تشنہ کاموں تک نہ پہونچا اور نہ پہنچا ابن نہر
مشک میں گھٹ کے دریا کی روانی رہ گئی
بازوئے عباسؑ پر پرچم کی لہریں دیکھ کر
لاکھ ابھری موج پھر پانی کی پانی رہ گئی
ماں سے دو باتوں میں اکبرؑ نے لیا اذن جہاد
تذکرہ میں حسن کے یہ خوش بیانی رہ گئی
کچھ کیا تو تم نے روشن حضرت فاخر کا نام
خیر ذاکر آبروئے خاندانی رہ گئی

افسوس ہے مضمون کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے ورنہ دل چاہتا تھا کہ کئی سلام پیش کیے جاتے اب نوحہ ملاحظہ فرمائیے نوحہ کو دعبل ہند اعلی اللہ مقامہم نے ترقی کی اس منزل پر پہونچا دیا جس منزل پر حضرت انیس مرحوم نے مرثیہ کو پہونچایا۔ ان کے نوحوں کا کافی حصہ اہل نظر تک پہونچ چکا ہے اور آج دنیائے تشیع کا کوئی گوشہ خواہ ایران ہو یا عراق ان کے نوحوں سے خالی نہیں۔

یہی نہیں کہ نوحہ کو اردو میں انھوں نے ایسا کہا کہ وہ آئین نوحہ مان لیے گئے بلکہ فارسی میں بھی انھوں نے سیکڑوں غزلیں اور نوحے فرمائے پھر فارسی بھی ایسی نہیں جو ہندوستان میں رائج ہے اور عجمی محاورات سے اس لیے بے نیاز رہتی ہے کہ وہاں کی معاشرت سے دور ہیں چونکہ وہ عراق میں اٹھارہ سال بسلسلۂ تعلیم قیام فرما چکے تھے اس لیے جو نوحہ کہا وہ زبان میں ڈوب کر ایسا کہا کہ آج بھی ان کے فارسی نوحے عراق و ایران کی ماتمی انجمنوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ اگر آپ عراق تشریف لیجائیے تو سب سے پہلے دعبل ہند کا یہ نوحہ آپ کو سنائی دے گا۔

ستم شمر کجا و سر شبیر کجا
دست بیداد کجا زلف گرہ گیر کجا

یا یہ نوحہ:۔

سر صدر شہ دین ظالم بے پیر بریدہ

یا یہ نوحہ:۔

نالہ شاہ امم بود بہ ہر یک قدم ہائے علی اکبرم وائے علی اکبرم

غرضکہ سیکڑوں ہی نوحے حضرت دعبل ہند کے آپ کو عراق و ایران میں سنائی دیں گے۔

میں اردو نوحوں میں سے ان کے چند نوحوں کے دو دو تین تین شعر ذیل میں درج کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہوں:۔

دلوں کا اپنے تعصب دکھایا جاتا ہے
گلے پہ شاہ کے خنجر پھرایا جاتا ہے

حسینؑ مانگتے ہیں زیر تیغ ذبح میں آب
نہیں نہیں سے کلیجہ دکھایا جاتا ہے

رنمیں دو قلب تڑپنے لگے ایک تیر کے ساتھ
بازوئے شاہ چھدا گردن بے شیر کے ساتھ
شہ نے جلتی ہوئی ریتی پہ جو پہلو بدلے
کربلا کروٹیں لینے لگی شبیر کے ساتھ
ذبح ہو کر علی اصغرؑ سے نہ پیکاں سنبھلا
جنبش گردن بے شیر رہی تیر کے ساتھ
ہو سہارا نہ کوئی جس کا ڈرے وہ ذاخر
خلد میں جائیں گے ہم حضرت شبیر کے ساتھ

شادیاں قید حرم کی بھی ستمگاروں میں
اپنی تنہائی پہ ماتم ہے گرفتاروں میں
راستے دین کے بتلا دیئے سر دے دے کے
دن میں اللہ کے سجدہ کئے تلواروں میں
اس طرح شام کے زنداں میں ہوئی قید حرم
رات کاٹا کئے جھکتی ہوئی دیواروں میں
قلب ذاخر کی تمنا غم شہ میں یہ ہے
کر الٰہی اسے محسوب عزاداروں میں

اب تک کفن ملا نہ تن زخم دار کو
چہلم کے دن حسینؑ نے پایا مزار کو
شاید کوئی کلام کریں دشت میں حسینؑ

تھی ایک جستجو نگہ انتظار کو
اکبر کے دقت دفن یہ تھا ماں کے دل کا حال
جھک جھک کے دیکھتی تھی زمین مزار کو
بے انتہا ہیں اب تو مصائب کثیر تیں
ذاکر پکار رحمت پروردگار کو

تہ تیغ اور اندا قلب شہ کی بڑھتی جاتی ہے
چھپائے منھ کو بالوں سے بہن مقتل میں آتی ہے
اٹھا کر لاش کاندھے پر یہ شہ کہتے تھے بیٹے سے
علی اکبر چلو جلدی کے زینب نکلی آتی ہے

ذاکر ہے ہجر شاق دل بیقرار پر
جہلم میں روئیں سرور دیں کے مزار پر
سوکھے ہوئے پڑے ہیں ریاض نبی کے پھول
عاشور سے خزاں کا عمل ہے بہار پر
سر کی ردا کو ہاتھ میں پھیلا کے دھوپ میں
سایہ بہن کئے ہے زمین مزار پر

مذکورۂ بالا مختلف نوحوں کے اشعار ملاحظہ فرمانے کے بعد اب ان کے ان مراثی میں سے ایک مرثیہ کے چند مختلف بند ملاحظہ فرمایئے جو اب تک اپنے نہ شائع ہونے پر آنسو بہا رہے ہیں اور یہ دیکھئے کہ مرثیہ کی طویل زندگی میں مختلف اساتذہ کے مرثیے سننے کے بعد دعبل ہند کے مراثی کس معیار پر ہیں۔ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ دعبل ہند نے مرثیہ میں بھی اپنا راستہ الگ بنایا اور جس راستے پر وہ چلے ان راستے کو انتہائی نقطہ تک پہنچا دیا میں اپنے کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ ان کے ایک مرثیے کی قلمی نقل میرے پاس موجود ہے اور اسی مرثیے کے چند بند درج ذیل کرتا ہوں۔ یہ بند اس مقام کے ہیں جب امام حسین علیہ السلام الحرم سے رخصت ہونے کے بعد بغرض جنگ میدان میں تشریف لے جا رہے ہیں

صدا حرم کو یہ دے کر بڑھا دیا رہوار
اٹھا فرس کے قدم چوم کر زمیں کا غبار
ہوائیں چلنے لگیں سمت وادی پر خار
پسند کر لیا ذروں نے گرد ٹوں کا شعار
اس اوج پر بھی کرئی ان میں اعتبار نہ تھا
نہ جانے کون سے دل تھے جنہیں قرار نہ تھا

گھوڑے کی تعریف

ہے آسماں کا جو تارا وہ مہ جبیں گھوڑا
جو بوئے گل سے سبک ہے وہ نازنیں گھوڑا
جو ہے حجاب نظر میں وہ شرمگیں گھوڑا
جو اہل مصر میں یکتا ہے وہ حسیں گھوڑا
ہجوم رد زر جزا دیکھ بھال کر نکلا
نقاب دامن یوسف کی ڈال کر نکلا

ہیں مضطرب غم فرقت گزارنے والے
لئے ہیں دل کو تصدق اتارنے والے
ادھر بھی دیکھ لے بے موت مارنے والے
یہ کہہ رہے ہیں تڑپ کر پکارنے والے
ہر اک کو تیغ ادا سے حلال کرتا جا
نہ دل میں تو جگر پائمال کرتا جا

گھوڑا فوج سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے

پسند کیلئے کیا سب سے مصطفےٰ نے مجھے
پھر انتخاب کیا قلب مرتضےٰ نے مجھے

لیا حسینؑ کے ہمراہ بھتیجے نے مجھے
یہ انتہا ہے چنا ذات کبریا نے مجھے
رہی نہ اہل معاصی سے رسم و راہ مری
بنی ہے دامن عصمت کے بارگاہ مری

اس اوج پر مری حالت کا پوچھنا کیا تھا
نبی سے حسن عقیدت کا پوچھنا کیا تھا
خدا کی دی ہوئی صورت کا پوچھنا کیا تھا
زمانہ میں مری قوت کا پوچھنا کیا تھا
شرف بُراق کا جو تھا وہ پا لیا میں نے
جہاں میں بار نبوت اُٹھا لیا میں نے

جو دل پہ نقش ہے وہ نام پوچھتے کیا ہو
ملا جو حق سے وہ آرام پوچھتے کیا ہو
غلام شاہ کا انجام پوچھتے کیا ہو
یزید یو مرا اسلام پوچھتے کیا ہو
بڑھا ہوا ہے نگاہوں میں اعتبار مرا
بتوں کا توڑنے والا ہے شہسوار مرا

ہر ایک حرف جبیں کلک سے جلی آیا
جو نور تا سر زیں آیا منجلی آیا
اُٹھا خدا کا ولی اک تو اک ولی آیا
امام اک حسن تک پس علی آیا
پس رسولؐ مرا اتنا احترام ہوا
وہی ہوا مرا اک کہ جو امام ہوا

یہ کہہ رہا تھا کہ کر کے ہجوم لشکر کیں
یہ کیسے قبل قیامت میں حشر کے آئیں

چھپا ہے خاک کے پردوں میں رو کے جو رخ بریں
دبی ہوئی ہے سموں سے فرس کے گاو زمیں
اثر ہوا میں بھی میداں کے انقلاب کا ہے
نہاں غبار میں بیٹا ابوترابؑ کا ہے

اس مرثیہ میں حضرت دعبل ہند نے رخصت کے مقام پر شہادت جناب علی اصغرؑ نظم فرمائی ہے اس لئے امام حسین علیہ السلام کی رجز کا آخری بند ملاحظہ ہو بیت میں شہادت جناب علی اصغر کی طرف اشارہ ہے۔

ثنا میں باپ کی مشغول تھے ادھر شہ دیں
ادھر سپہ میں کمانیں ہزار ہا کڑکیں
ہوا خیال سے اصغر کے اور قلب حزیں
بگڑ کے کہنے لگا دوش مصطفےٰ کا مکیں
رُلائے گی جو لہو وہ اُمنگ ہے میری
گلا نہیں کسی بچہ کا جنگ ہے میری

مڑے یہ کہہ کے سوئے تربت علی اصغرؑ
پکارنے لگے بچے کو شاہ جن و بشر
جہاد باپ کا دیکھو مزار سے اُٹھ کر
اب اس خیال سے کھنچتی ہے نہیں تیغ دو سر
پناہ آج کہاں اہل شام لیتے ہیں
تمہارے خون کا ہم انتقام لیتے ہیں

(باقی آئندہ)



یا ناصر من لا ناصر له فی المشاکل — عُسِم سلطان العلم — قضی نخبه ناصر آل طٰه

۱۳۶۱ — ۱۳۶۱ — ۱۳۶۱

عید بعید جب بسانِ عاشور گردید (۱۳۶۱) که آفتابِ علم و کمال از آفاق وجود محدود دا اول ندید (۱۳۶۱) جان لبش بیم جان نالهٔ آه قهادی (۱۳۶۱)
که جنابی عقائد و [illegible] روز سیاه گردا وه (۱۳۶۱) مخصوص [illegible] اول الحسرت نالهٔ کناں (۱۳۶۱) فروع واصول از بیدا [illegible] سینه زناں (۱۳۶۱) کالا محروش بدی [illegible] (۱۳۶۱)
منطق بے نطق و [illegible] (۱۳۶۱) تفسیر شرح بیدادی آلام (۱۳۶۱) حدیث بیان افسرده و ملال قیامت ایام (۱۳۶۱) قواعد احکام حقائقت [illegible] (۱۳۶۱)
اصول با قوانین جدا بشریعت اسمحل (۱۳۶۱) تاریخ بساط عزا (۱۳۶۱) [illegible] داؤد نوحه سرا (۱۳۶۱) [illegible] مصائب آه و فغاں (۱۳۶۱)
لغت با کلام آهنگ بیاں (۱۳۶۱) [illegible] از رنج و محن هوش ربود (۱۳۶۱) فلسفه با [illegible] جنون بیهوده (۱۳۶۱) [illegible] الیه بدایت گیر (۱۳۶۱)
[illegible] مقابلهٔ فلسفهٔ اوروپا اعجاز [illegible] (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱)
[illegible] بهجوم لا نقشه کش [illegible] (۱۳۶۱) بلاد و مدن [illegible] اهل عزا [illegible] (۱۳۶۱) المختصر (۱۳۶۱) [illegible] حضرت [illegible] (۱۳۶۱)
[illegible] کلایں [illegible] (۱۳۶۱) چرا که [illegible] بیش ازاں بوده (۱۳۶۱) یعنی [illegible] (۱۳۶۱)
مرکز دائرهٔ فرقهٔ علیه ایه شیعه (۱۳۶۱) حجة الاسلام آیة الله فی الانام کنز العلوم عمدة المحققین (۱۳۶۱) العلامة الاوحد ابوالفضل [illegible] (۱۳۶۱)
قطب الزمان جناب [illegible] حضرت علی [illegible] (۱۳۶۱) ازیں جهان ثانی [illegible] عالم جاودانی رحلت فرمود (۱۳۶۱) که میان [illegible] بهالام قیامت [illegible] (۱۳۶۱)
ازیں جهت که آنجناب [illegible] جامع الکمال (۱۳۶۱) [illegible] بین الانام [illegible] المقال (۱۳۶۱) صورت او آئینه جلوه [illegible] قدسیه (۱۳۶۱)
[illegible] آداب نیابت الیه (۱۳۶۱) واتب آداب او معجزهٔ [illegible] (۱۳۶۱) و معیشة کامرانی [illegible] (۱۳۶۱)
کرد روایة و ارشاد اهل زیر [illegible] قبله نما (۱۳۶۱) [illegible] مناهج اعتقاد [illegible] از قول [illegible] (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱)
و با خلاق [illegible] (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱) و [illegible] علم و عمل [illegible] (۱۳۶۱)
[illegible] سادات [illegible] (۱۳۶۱) و در ادب [illegible] مطالب و معانی [illegible] (۱۳۶۱)
[illegible] جهان بود (۱۳۶۱) [illegible] انشاء [illegible] الزماں (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱)
و [illegible] (۱۳۶۱) بشعر و کلام [illegible] آب لال می آورد (۱۳۶۱) و بدلائل اعجاز [illegible] کمال می برد (۱۳۶۱)
آه [illegible] (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱) فغاں! از کم نصیبی (۱۳۶۱) فریاد از [illegible] (۱۳۶۱)
دنیا بحال سیاه ست و گیتی ویراں (۱۳۶۱) زندگی تباه و سکون برباد و دل سکینه گریاں (۱۳۶۱) داستان درد و نالهٔ دل تا کجا گوئیم (۱۳۶۱)
کنون باید منزل مقصود [illegible] یعنی افسانه آل طٰه جوئیم (۱۳۶۱) چرا که یاد آوری مصائب نینوا وجه سکون دل می شود (۱۳۶۱)
[illegible] (۱۳۶۱) [illegible] فاتحه خوانی (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱)
سرکار ناصر الملة [illegible] (۱۳۶۱) [illegible] بست و پنجم ذی الحجه (۱۳۶۱) بساعت ده (۱۳۶۱) قبل [illegible] (۱۳۶۱)
[illegible] جنوری یوم یکشنبه معین شده (۱۳۶۱) [illegible] ناصر بیا مند (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱)
بلسان سلطان الواعظین (۱۳۶۱) زبدة الناطقین سید الذاکرین (۱۳۶۱) ناصر الحفاظ (۱۳۶۱) جناب [illegible] حسین (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱)
[illegible] ثواب بے حساب نموده (۱۳۶۱) [illegible] (۱۳۶۱)

چشم براه لطف —————— [illegible]

همه کارکنان مکتبه ناصریه [illegible] لکهنؤ

[illegible]

افسانۂ زندگی

ازجناب مولانا سید شبیہ عباس صاحب منتظم مدرس مدرسۂ عالیہ جعفریہ نوگانوہ

باقی رہے جہاں میں افسانہ زندگی کا
منظور گروہ کرلیں تدرانہ زندگی کا

جانِ جہاں وفا ہے وجہ بقا وفا ہے
مشہور ہے وفا سے افسانہ زندگی کا

ہنگام نزع آنسو بہہ کر بتا رہے ہیں
دیکھو چھلک رہا ہے پیمانہ زندگی کا

تیر اُن کے جا بجا ہیں دل میں لگا رہا ہوں
یعنی سجا رہا ہوں کاشانہ زندگی کا

اے تیغ ناز بڑھ کر اس کو گلے لگالے
مرنے کو آرہا ہے بیگانہ زندگی کا

صورت تمھاری صوت آنکھیں تمھاری آنکھیں
میخانہ زندگی کا پیمانہ زندگی کا

سر رکھدو اس قدم پر ٹھکرا کے جس کو تربت
آباد کرگئے وہ ویرانہ زندگی کا

اے شمع بزم سنئے قربان ہو کے تجھ پر
پروانہ کہہ رہا ہے افسانہ زندگی کا

بس حسن و عشق میں گر کچھ فرق ہے تو یہ ہے
یہ شمع زندگی وہ پروانہ زندگی کا

تعمیر کے وہ مالک تخریب انکے بس میں
بس ان کے ہاتھ میں ہے کاشانہ زندگی کا

صبح امید آئی شام وصال آئی
پوچھے کوئی مجھی سے بہلانہ زندگی کا

ساقی بھی چشم ساقی قاتل بھی چشم قاتل
پیمانہ موت کا ہے پیمانہ زندگی کا

جان وفا وفا سے کیوں بیوفائیاں ہیں
قائم ہے جب وفا سے کاشانہ زندگی کا

تصویر گر وفا کی دیکھی نہو دکھا دوں
باقی ہے نام جس سے مردانہ زندگی کا

کرب و بلا کے بن میں دریائے علقمہ پر
مسکن بنا ہے کس کی شیرانہ زندگی کا

آب فرات دے گا اس بات کی شہادت
کس نے دیا وفا میں نذرانہ زندگی کا

گو کٹ گئے تھے بازو غداروں کی دغا سے
دستِ وفا لئے تھا فرزانہ زندگی کا

بتلا دیا جہاں کو مٹتا ہے یوں وفا پر
مقصد جہاں میں جس نے پہچانا زندگی کا

گنبد سے آرہی ہیں روضے کے یہ صدائیں
جان وفا نے گایا ہے گانا زندگی کا

عباس کے علاوہ ہے کون وہ کہ جس کا
زیر لب وفا ہو افسانہ زندگی کا

کشتی عمر مولا منعم کی ہے بھنور میں
ہے ناخدا کے ہاتھوں پہونچانا زندگی کا

شہید مظلوم کی دولت

(عمدۃ العلماء جناب مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی)

اب تو دنیا کو مسلم ہے کہ کربلا کی گرم زمین پر فرات کے کنارہ تین دن تک بے گور و کفن رہنے والے کی ڈیوڑھی دنیا کے بڑے سے بڑے سلاطین کے واسطے بھی قابل صد ہزار رشک ہے۔ عالیشان بارگاہ زرنگار قبہ سونے سے منڈھے ہوئے مینار۔ آئینوں سے جگمگاتا ہوا ایوان۔ کاشانی دیواریں۔ مصفا صحن حرم کے اندر بیش قیمت قالینوں کا فرش۔ چاندی سونے سے منڈھی ہوئی ضریح اقدس دیوار و در پر کمیاب جواہرات کا جڑاؤ دروازوں پر مخمل و زربفت کے پردے نظر فریب جھاڑ۔ کنول۔ ہر قسم کے نایاب اور بیش قیمت اشیاء نادرہ سے لبریز خزانہ حاجب و دربان خادموں اور جاروب کشوں کی کثرت بڑے بڑے مغرور و متکبر بھی آجائیں تو سر عقیدت جھکا کے چوکھٹ کو بوسہ دیں۔ اسی بارگاہ فلک نظیر پر موقوف نہیں جہاں یزید کے ظلم و ستم سے شہید ہونے والے ایک مظلوم و بیکس کی قبر ہے بلکہ آج دنیا کے وسیع تختہ پر جہاں جہاں بھی امام علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے حسینیہ اور امام باڑے بنے وہ اس وقت بھی اکثر بادشاہوں کی عالیشان عمارتوں سے زائد بیش قیمت اور نظر فریب ہیں یہ ١٣٦١ھ کا تذکرہ ہے جب تمام عالم یادگار حسینی منا کر ہمارے آقا کی فداکاریوں کی قدر کرنے میں منہمک ہے۔ مگر آج سے پورے تیرہ سو برس قبل بھی دو عالم کا سردار بنی زادہ۔ امام ابن امام سیدہ زنان عالم کا لخت جگر فخر قریش سید و سردار بنی ہاشم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ فقیر و محتاج اور دولت دنیا سے تہی دست نہ تھا۔ یہ تو امامت و نبوت کی شان ہی تھی کہ دنیا ان کے در پر فقیروں کی صورت سے سوال کرتی نظر آسکے مگر یہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کریں مگر اس شان خودداری و توکل کے بعد یہ بھی نہ تھا کہ مال دنیا ان حضرات کے پاس موجود نہ ہو۔

جس سید مظلوم کا میں تذکرہ کر رہا ہوں اس کے دولتمند ہونے کے چند شاہد تاریخ و حدیث سے پیش کر دینا میرے دعوے کے ثبوت کے واسطے کافی ہے۔

اسامہ ابن زید کی اعادت کے واسطے تشریف لے گئے اسامہ کو بہت بیچین پایا۔ امام کے دریافت کرنے پر اسامہ نے عرض کی موت سے نہیں ڈرتا مرض کی تکلیف برداشت کر لینے کے قابل ہے مگر محض یہ خیال تکلیف دہ ہے کہ ساٹھ ہزار درہم کا قرضدار ہوں۔ اگر مر گیا تو یہ قرضہ مجھے قبر میں بھی چین نہ لینے دیگا۔ امام نے جواب دیا کہ تم مضطر نہو میں ادا کر دونگا اسامہ نے عرض کی اگر میرے مرنے سے قبل ادا ہو جائے تو موت آرام سے آئے۔

امام نے اسی وقت ساٹھ ہزار درہم ادا کر دیئے۔

ایک باغ سے گذر ہوا جو یہودی کا تھا۔ اس کا غلام اپنے ساتھ کتے کو کھانا کھلا رہا تھا۔ امام نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کرتا ہے اس نے جواب دیا کہ جس کا میں غلام ہوں وہ یہودی مجھ پر بہت سختی کرتا ہے یہ کتا بھی خدا کی مخلوق ہے میں اس پر رحم کر رہا ہوں کہ شاید خدا اس کے عوض میں مجھ پر رحم کرے۔

رسولؐ کے کریم نواسے نے اس غلام کو دو سو اشرفی قیمت دیکر یہودی سے مول لیا اور آزاد کر دیا۔

معلم نے آپ کے ایک فرزند کو سورہ حمد کی تعلیم دی بچے نے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر سورہ سنایا امام نے خوش ہو کر ایک ہزار خلعت ایک ہزار اشرفی انعام میں دی اور معلم کا منھ سچے موتیوں سے بھر دیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایک سورہ کی تعلیم کے عوض میں اسقدر انعام؟ آپنے فرمایا کہ کلام خدا کے مقابلہ میں یہ بھی کم ہے۔

اپنے باغ میں چند دوستوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور جو غلام نگراں باغ تھا اس سے فرمایا کہ ہم سب تیرے باغ میں آئے ہیں کچھ ہماری دعوت کر۔ غلام نے خرمے لاکے پیش کئے جب

امام نے بخشش فرما کے چلنے لگے تو ارشاد فرمایا کہ انسان وہ جس کا فعل اس کے قول کے مطابق ہو۔ میری زبان سے نکل گیا تھا کہ ہم تیرے باغ میں آئے ہیں لہٰذا میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ تجھ کو ہبہ کرتا ہوں۔

مروان نے حکم دیا کہ فرزدق مدینے سے نکال دیا جائے فرزدق ہمارے امام کی خدمت میں رخصت ہونے کے واسطے حاضر ہوا کریم بن کریم نے چار ہزار اشرفیاں عطا کر دیں کہ زادِ راہ لیتا جا۔

ایک مسافر عرب نے چند شعر مدح امام حسینؑ میں نظم کر کے پیش کئے اور اپنی حاجت عرض کی آپ نے چار ہزار اشرفیاں عبا میں لپیٹ کے عطا کر دیں جب آپ مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں بہت سے لوگ جن کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے یہ سمجھ کر ہمارے امام کے ساتھ ہو گئے تھے کہ آپ کوفہ کی سلطنت لینے جا رہے ہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ملک ریگستان کا سفر بغیر سواری کے ممکن نہیں ہو سکتا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جو جو ساتھ ہو گئے ان کے ہمراہ گھوڑے یا ناقے بھی تھے وہ امام حسین کے ساتھ اپنی سواریوں پر۔ اہل حرم کی سواریاں بھی ملا کے جمال ان سب کی تعداد کا خیال کرنے کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سفر کربلا میں آپ کو کس قدر اخراجات برداشت کرنا پڑے ہوں گے ان تمام اخراجات کے بعد حضرت نے کربلا پہونچ کے زمین کربلا ساٹھ ہزار درہم خرید فرمائی اور چند شرطوں کے ساتھ وہ زمین بنی اسد کو ہبہ کر دی۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے سے یہ سمجھ لینا آسان ہو جاتا ہے کہ امام حسین کی دولت کس قدر تھی۔ زمینیں تھیں۔ نہریں تھیں باغات تھے۔ مکانات تھے مگر نہ اس لئے کہ حسینؑ ان چیزوں سے خود اپنی راحت و آرام کا سامان فراہم کریں بلکہ ان کا حقیقی مصرف یہ تھا کہ فقراء اور مساکین کی مدد کی جائے کسی کے سامنے دست سوال نہ پھیلے مگر شب کو اپنی پشت پر بوریاں لاد کے فقراء کے مکانوں پر ان کے ضروریات زندگی پہونچا دیئے جائیں

لیکن یہ سب کس وقت ہو سکا؟ محض اس وقت یہ بذل و کرم کے بادل جھوم جھوم کے برس سکے جب مال موجود تھا۔ جیسے معلوم ہوا کہ ہمارے ائمہ نے دولت کو اس لئے تو ضرور ٹھکرا دیا کہ اپنے عیش و عشرت کا سامان کریں مگر اس نیت سے کبھی نہیں ٹھکرایا کہ ہماری دولتوں سے فقراء کی پرورش ہو۔ یتیم اور بیوائیں راحت سے بسر کریں۔ دوستوں کے ہدیہ شیعوں کی نذریں دولتمندوں سے اپنا حق لینے خمس لینے میں کبھی انکار نہیں فرمایا۔ زمینیں بھی خرید فرمائیں زراعتیں بھی کیں باغات بھی درست کئے بلکہ دنیا کے دلوں میں یہ خیال تک پیدا نہ ہونے دیا کہ ہم محتاج ہیں اور مال دنیا ہمارے پاس نہیں ہے ایک مرتبہ لوگوں میں چرچا ہوا کہ اب امام حسنؑ کے پاس مال نہیں رہے گا۔ اور محتاج ہو گئے تو آپ نے ایکہزار درہم قرض لے کر زکواۃ وصول کرنے والے کے پاس یہ کہہ کر بھیجدئے کہ یہ میرے مال کا صدقہ ہے۔ حضرت اس لئے کہ لوگ آپ کو محتاج نہ سمجھیں

ان تمام واقعات و شواہد کے بعد کیا یہ بات ہمارے واسطے قابل فخر ہو سکتی ہے کہ ائمہ معصومین کی دوستی اور غلامی کا دعویٰ کریں اور گداگری فقیری اور محتاجی کو اپنا شعار بنا لیں اور دولتمند بننے کی جائز تدبیروں سے بھی منھ موڑے رہیں۔ دنیا کی ہر ذلت برداشت کریں مگر نہ تجارت کریں نہ زراعت کریں نہ کسی صنعت و حرفت کے ذریعہ سے کسب معاش کریں۔ در در کی ٹھوکریں کھائیں بھیک مانگیں۔ چوریوں میں پکڑے جائیں۔ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے نہ تعلیم دین حاصل کر سکیں نہ تعلیم دنیا۔ ہماری تمام عزتیں ذلتوں سے بدل جائیں مگر ہم ٹس سے مس نہ ہوں۔

سنہ ۶۱ھ اپنی تمام برکتوں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ تمام زبردست مصیبتوں اور گرانی کی تکلیفوں اور زحمتوں کے بعد ہماری قوم نے حسینی یادگار منانے میں

لاکھوں روپیہ صرف کر دیا۔ اچھا کیا اور بہت اچھا کیا۔ مگر

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

برسات کے پرکیف بادلوں کی طرح یادگار حسینی کی گھٹائیں جھوم کے برسیں اور نکل گئیں۔ مگر چند دن کے بعد وہی تپتی ہوئی زمین اور اڑتا ہوا غبار۔

میں نے اسی یادگار کو مستقل اور پائدار بنانے کے واسطے سنہ ۶۱ھ میں ادارۂ اقتصادیات شیعہ کی بنیاد ڈالی اور کوشش کر رہا ہوں کہ اس ادارہ کی آواز ہر کان میں پہنچادوں۔ مگر اب تک جس دل شکن خاموشی سے میری آواز کا جواب دیا گیا وہ بہت زائد یاس انگیز ہے مگر یاد رکھئے کہ یہ ادارہ اپنے رنگ کا پہلا ادارہ ہے جو آپکی اقتصادی اور مالی حالت درست کر دینے کا ذمہ دار ہے۔ لیکن صرف اس وقت جبکہ آپ اس کی قدر کرتے ہوئے اعانت کریں۔

اگر موجودہ کارکن پسند نہ ہوں تو خود کام سنبھالئے لکھنؤ پسند نہ ہو تو اپنے اپنے شہروں میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اداروں کی بنیادیں رکھئے مگر سکوت تو نہ کیجئے۔ اگر آج آپنے اس ادارہ کی دل کھول کے مدد کی تو یاد رکھئے کہ کل یہ ادارہ خود آپ کی وہ امداد کرے گا جو آپکو کسی اور ادارہ سے ہرگز نہیں مل سکتی۔ آپ ہم پر الزام دیتے تھے کہ تم کام نہیں کرتے لیکن اگر اب آپنے سکوت کیا تو ہمارا یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ آپ کام نہیں کرتے۔

اگر اس ادارہ کے مفصل حالات معلوم کرنا ہوں تو دفتر ادارہ اقتصادیات شیعہ ۸۔ وکٹوریہ اسٹریٹ چوک لکھنؤ میں ۱ر کا ٹکٹ بھیجکر دستور العمل وغیرہ طلب کیجئے۔

جائز طریقوں سے

[illegible] کر کے دین کی خدمت کرنے کے ساتھ ہی اپنے متعلق بھائی بہنوں کی دل کھول کر مدد کیجئے۔

وما علینا الا البلاغ

کربلا کی جنگ کا فاتح

سید العلماء جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ

عاشور کے دن حسین ابن علی کو شہید کر دیا گیا اور حضرت امام حسین کے سب ساتھی بھی ختم کر دیئے گئے۔ یزید اور ابن زیاد کیا سمجھے؟ یہی کہ ہم مقابلہ میں کامیاب ہو گئے مگر دوسرے دن سے واقعات نے یہ بتلانا شروع کر دیا کہ تمہارا مقصد پورا نہیں ہوا۔ خود مختار شہنشاہیت اور ظالمانہ حکومت کیا چاہتی ہے؟ دو باتیں ایک افراد قوم سے طاقتِ احساس سلب کرنا دوسرے جرأت اظہار ختم کر کے۔ اموی حکومت نے مدتیں صرف کی تھیں ان دونوں باتوں کے حاصل کرنے میں۔ اسکے برخلاف حضرت امام حسین کی شہادت کا مقصد یہ تھا کہ ایکطرف افراد جامعہ میں قوت احساس پیدا کی جائے اور دوسری طرف اپنے عمل کا نمونہ دکھلا کر اظہار کی جرأت پیدا کی جائے اس لئے کہ انسان جب تک کوئی مثال دیکھ نہیں لیتا اسوقت تک ہچکچاتا ہے مگر جب کوئی عمل سامنے آجائے تو ایسیں بھی عمل کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت امام حسین نے کربلا میں جان و مال اور اولاد غرض ہر دنیوی مفاد کی قیمت کو دین کے مقابلہ میں ایسا گھٹایا کہ انسانی دماغ بلند مقاصد کے لئے جان کو ارزاں سمجھنے لگا حکومت کو تو یہ توقع تھی اور مجرموں کو سزا اسی لئے دیجاتی ہے کہ دوسرے عبرت حاصل کر کے پھر ایسی جرأت نہ کریں اس لئے حکومت شام بھی یہ سمجھتی تھی کہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا یہ بلا خیز تاریخی انجام دیکھ کر کسی میں لب کشائی کی ہمت باقی نہ رہے گی اسی لئے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ

یہ لٹا ہوا قافلہ ہر شہر میں جائے تاکہ ہر شہر کے لوگوں کو مخالف حکومت کا انجام دیکھ کر دہشت پیدا ہو اور پھر اختلاف کی جرأت نہ ہو مگر کیا حکومت کو شکست نہیں ہوئی اور کیا حسینیت کی فتح ظاہر نہیں ہوئی جب دوسرے دن ہی ابن زیاد کے دربار میں زید بن ارقم دربار میں کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہٹا لے اس چھڑی کو میں نے خود دیکھا ہے کہ رسول ان لبوں پر بوسہ دیتے تھے۔

دیکھا آپ نے کہ کربلا کے واقعہ سے حق گوئی کی جرأت کم ہوئی یا زیادہ؟ ابن زیاد نے دیکھا کہ یہ بوڑھا صحابی رسول ہے اسکو سزا نہ دو یہ بھی حسین کی فتح تھی۔ آج اصحاب رسول کی عزت ہونے لگی مگر کل تک رسول اللہ کے نواسے کی عزت نہ تھی۔ شاہی حکم ہوا کہ مسجد جامع میں لوگ جمع ہوں۔ اعلان فتح کے لئے رعایا کو واقعات جنگ سنانے کے لئے خالص وفاداروں کا مجمع ....

... ہوا۔ ابن زیاد کا خیال ہوگا کہ بھلا اسوقت کس کی مجال ہے جو میری تقریر پر اعتراض کرے وہ خطبہ پڑھتا ہے کہ شکر ہے خدا کا جس نے امیر کو فتح دی اور حسین کو شکست دی۔ یہاں امام حسین کا نام اس انداز سے لیتا ہے کہ آپکی سچائی پر حملہ ہوتا ہے۔ فوراً خاموش سناٹے میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ستون مسجد کے پاس سے ایک نابینا کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کذاب تو اور تیرا باپ ایک تو نے اولاد نبی کو قتل کیا اور ان کی شان میں گستاخی کے کلمات کہتا ہے۔ یہ حسین کی فتح ہے اور ابن زیاد کی شکست اب بھی خیال ہوگا کہ یہ تو کوفہ ہے جو علی کا پائے تخت رہ چکا ہے۔ یہاں اکا دکا ایسے واقعات ہو جائیں تو قابل لحاظ نہیں ہے لیکن شام میں یہ بات نہیں ہو سکتی وہ پایہ تخت ہے یزید کا خلیفۃ المسلمین کا جہاں برسوں بنی ہاشم سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہاں شہنشاہیت اپنے پورے تہنیت وجلال کے ساتھ آنکھوں کے سامنے ہے مگر وہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ جب یزید اسی ابن زیاد کے سے طرز عمل کو سر حسین کے ساتھ دہراتا ہے تو فوراً ابو برزہ اسلمی کھڑے ہو جاتے ہیں اور سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک عیسائی سفیر بادشاہ روم کا جو موجود تھا وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور یزید کو سرزنش کرتا ہے دیکھئے حسین کی فتح۔ لوگ حسین کی طرف سے احتجاج کر رہے ہیں۔ یزید کو اپنی شکست کا احساس ہو گیا اور اسی حق گوئی اور اظہار کی جرأت نے بڑھ کر ظالمانہ سلطنت کا تختہ الٹ دیا

——— والسلام ———

سرور عالی مکاں

ترجمان ملت جناب مولانا سید محمد عادل صاحب صدر الافاضل

علی کی روح محمد کی جان کیا کہنا،
حسین باعث کون و مکان کیا کہنا

جگہ تھی پشت نبی پر تری بوقت سجود
حسین سرور عالی مکاں کیا کہنا

ترے کلام کی تاثیر لے معاذ اللہ
تجھے نبی نے چبائی زبان کیا کہنا

وہ خاک سجدہ ابنیا ہوئے مولا
تری لحد کا جہاں ہے نشان کیا کہنا

بنی کے دوش کا راکب جہاں قدم رکھے
وہ سرزمین بنے آسمان کیا کہنا،

سر حسین نے جس طرح سے قرآن پڑھا،
کسی کو یوں تو ہو ورد زبان کیا کہنا

سوال آب کیا شیرخوار نے عادل
دکھا دکھا کے وہ سوکھی زبان کیا کہنا

انفاسِ قدسی

از جناب قدسی جائسی مدظلہٗ

لوٹا اجل نے باغِ تمنا حسین کا
کوئی نہیں ہے چاہنے والا حسین کا

صغرا فقط ہیں مرنے کو جو بھی ہیں بیقرار
باقی نہیں ہے اب کوئی پیارا حسین کا

دشمن تھے لوگ کس لئے بیکس کی جان کے
بتلائیں تو قصور ہی کیا تھا حسینؑ کا

بے اختیار روتے تھے دشمن بھی دیکھ کر
میت جواں کی اور بڑھاپا حسین کا

لاشے پہ کون روئے کسے فکرِ دفن ہو
جکڑا ہوا رسن میں ہے کنبہ حسین کا

دوشِ رسول اب ہے نہ آغوشِ فاطمہ
ہے کربلا کی گود میں لاشہ حسین کا

بیدادِ شمر کی بھی کوئی انتہا نہ تھی
زینب کے آگے نیزہ پہ سر تھا حسین کا

بیٹھیں یتیم بچوں کو لے کر حرم کہاں
کفار نے جلا دیا خیمہ حسین کا!

اس طرح کس نے پائی ہے مظلومیت کی داد
غمخوار آج تک ہے، زمانہ حسین کا

قدسیؔ جو کچھ فروغ کہ اسلام کا ہے آج
احسان سب ہے، دین کے شیدا حسین کا

عباس ابن علیؑ

از جناب سید جعفر حسین صاحب منظرؔ لکھنوی

کچھ اصل نہ سمجھی کبھی دشواری کی
ہر حال میں بیکسوں کی غمخواری کی
فرزندِ امیرِ دو جہاں کیا کہنا
کی دو ہی پہر مگر علمداری کی

سقائی بنتِ شاہ کرنے والے
لاکھوں کو بھگا کے مشک بھرنے والے
دریا ترے قدموں سے لگا ہے اب تک
اللہ رے دھنی بات پہ مرنے والے

جب تجھ پہ شہِ کرب و بلا ناز کرے
پھر کیوں نہ رسولِ دوسرا ناز کرے
سہمی ہوئی رانڈوں کے دلوں کی ڈھارس
حق ہے ترا گر تجھ پہ خدا ناز کرے

انساں نہیں انسان جو غمخوار نہ ہو
وہ آنکھ نہیں آنکھ جو خونبار نہ ہو
اللہ و رسول اس کو سمجھیں منظرؔ!
جس دل میں محبتِ علمدار نہ ہو

سب جانتے ہیں کس نے بنائی ہے فرات
اور فاطمہ نے مہر میں پائی ہے فرات
پانی کے لئے ہاتھ کٹانے والے
اب تو ترے بازو کی کمائی ہے فرات

ڈرامہ

کربلا کے خونچکاں صحیفے کا ایک ورق

فضل کے قلم سے

(۱)

پیاس! پیاس۔ چچا پیاس مارے ڈالتی ہے، دل بیٹھا جا رہا ہے۔ حلق سوکھا جا رہا ہے، آگ اگلتی ہوئی زمین جل رہی ہے آپ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔ بابا سے کہوں؟ کہہ چکی۔ بھیا سے کہوں۔ کیا کہوں —— چچا پیاس مارے ڈالتی ہے ——

چچا نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ میری آنکھوں کے نور۔ اگر چچا کے اختیار میں بہتا ہوا دریا اور چھلکتا ہوا جام آب ہوتا تو تم سے پہلے کوئی اور مستحق ہو سکتا تھا؟

بھتیجی نے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ چچا میں آپ کا جواب سن سکتی ہوں لیکن پیاس کے کان نہیں ہوتے —— سوکھے ہوئے حلق کو کیونکر سمجھاؤں؟ ——

چچا نے بھتیجی کو گود میں اٹھا لیا۔ میرے دل کا چراغ خدا تیری روشنی کو ہمیشہ باقی رکھے۔ چچا تیرے لئے پانی حاصل کرنے کا کوئی مشکل سے مشکل راستہ نہیں چھوڑے گا۔ میرے دل کا سہارا۔ یاد رکھ اگر پانی نہ آیا تو چچا بھی نہ آئے گا۔ بھتیجی نے منہ پر منہ رکھتے ہوئے کہا۔ چچا کب؟

چچا نے بھتیجی کو اندر سے لگاتے ہوئے جواب دیا۔ کل دن کو،

رات کی سیاہی نے جنگل کو گود میں لے لیا —— ایک تو اندھیرا دوسرے دشمنوں کی چمکتی ہوئی تلواروں کا وسیع سے وسیع گھیرا۔ یزید کے اندھے خیالات عملی جامہ پہن چکے تھے، ابن زیاد کی کوششیں تلواروں کی شکل میں نظر آرہی تھیں، ابن سعد کا سیاہ جھنڈا سرخی خون حسین دیکھنے کے لئے لہرا رہا تھا۔

چند کس کو گھیر کر مار ڈالنے کی چالیں پایۂ تکمیل تک پہونچ چکی تھیں —— جس عرب کو اپنی تاریخی شجاعت پر ناز تھا اسی کی زمین پر انتہائی بودہ پن کا مظاہرہ ہونے والا تھا۔ ہزاروں سے وگنتی چوگنی آٹھ گنی تعداد نہیں دو چار ہزار نہیں لاکھوں قوی ہیکل اپنی طاقتوں اور آلات حرب کا صرف چند پیاسوں پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ ظلم میں تین حرف ہیں اور اگر ظلم کے اعداد بھی نکال لئے جائیں تو نو سو ستر ہوتے ہیں —— کاش کربلا میں ۷۲ پیاسوں کے سوکھے ہوئے گلوں کے لئے اتنی ہی تلواریں ہوتیں جب بھی بہت تھیں —— مگر نہیں تیروں کی بوچھار کرنے والے ترکش لبریز تھے نیزوں کی نوکیں علی اکبر کا دل ڈھونڈھ رہی تھیں۔ تلواریں قاسم کے سر کی تلاش میں بےچین تھیں۔ ہر تیر چھ مہینے کے بچہ کا گلا ڈھونڈھ رہا تھا ہر خنجر حسین کے خون میں ڈوبنے کے لئے بےچین تھا —— اے عاشور کی رات دل تو یہی چاہتا ہے کہ تیری صبح صبح حشر سے مل جائے اور وہ وقت نہ آئے کہ رسول کے زانو پر سونے والا خاک پر کروٹیں بدلے —— اے ستاروں تمنا تو یہی ہے کہ تم ہمیشہ نکلے رہو اور عاشور کا دن نہ آنے پائے اے شب دہم کے چاند کیا تیری روشنی میں اتنی خنکی نہیں پیدا ہو سکتی کہ سکینہ اور علی اصغر کے دلو ںمیں جو پیاس کی حدت ہے،

ختم ہو جائے۔

جنگل کا سناٹا رات کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ گرم ہوا کے جھونکے پیاسوں کے سینوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ خدا کی محبت میں دلدادہ بوڑھے جوان اور بچے سپاہی اپنے اپنے آلات حرب سج رہے ہیں ہلال ابن نافع، زہیر قین تلواروں کی باڑھوں کو انگلیوں پر کس رہے ہیں، عباسؑ تلوار پر صیقل کر رہے ہیں، علی اکبر کی انگڑائیاں انقلاب کے سر سے ملا رہی ہیں قاسم کی نگاہیں انتہائے محبت کی تلاش میں مصروف ہیں، علی اصغر سوکھے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے کی عادت ڈال رہے ہیں اور اس اجڑے ہوئے قافلہ کا سردار وفادار سپاہیوں کی ہمت کو نورانی نگاہوں میں تول رہا ہے۔

"کل کیا ہوگا؟"۔ ایک بہن نے آہستہ سے سوال کیا کچھ نہیں صرف حق و باطل کا مقابلہ، بھائی نے جواب دیا مگر ادھر تو بہت بڑی فوج ہے اور ادھر چند کس،۔

لیکن اچھوں کی تعداد تو ہمیشہ کم ہوتی ہے بہن۔

بھیا یہ سچ ہے لیکن جب ہزاروں سپاہی تلواریں سوت کر تم پر برس پڑیں گے اس وقت کیا کرو گے بھیا؟۔

خدا پر بھروسہ۔ حق پر ڈٹا رہوں اور ایمان کا آسرا۔ تم نے کبھی یہی سوال۔ بابا (علی) سے بھی کئے تھے جو لاکھوں تلواروں میں باریک کرتا پہنے مردانہ جنگ کرتے جاتے تھے۔ تم نے کبھی بڑے بھائی محمد حنفیہ سے بھی پوچھا جو علم لے کر صفین کی صفیں الٹ کر واپس آتے تھے۔ عباس بھی تو علی کا بیٹا ہے جس کی کلائیوں کی طاقت خیبر کا دروازہ، جبرئیل کے پر اور مرحب کا جسم جانتا ہے۔

ام کلثوم نے جواب دیا بھائی یہ سب ٹھیک ہے، لیکن بابا کسی لڑائی میں پیاسے نہ تھے بابا کسی جنگ میں ناامید نہ تھے، آج تو خدا جانے کیا ہے۔ میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ میرے آنسو آنکھوں میں آنے سے پہلے ہی سوکھے جاتے ہیں اگر دشمنوں کے لشکر کا خیال کرتی ہوں تو دل بےچین ہو جاتا ہے اور اگر تم کو دیکھتی ہوں تو دل ٹھہر جاتا ہے مگر یہ تو بتاؤ فتح کس کی ہوگی؟

بھائی نے مسکرا کر جواب دیا۔ بہن فتح تو ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ اور آج بھی حق ہی کی فتح ہوگی۔

بہن نے گھبرا کر پوچھا — کیا تمھاری زندگی میں فتح ہوگی بھائی خاموش ہو گیا —

آفتاب حشر بھی شاید اسی طرح نمودار ہوگا جیسے کربلا کے ریتیلے میدان میں سورج نکلا۔ بہتر پیاسے جنگل کے ایک کونے میں کس ٹھاٹھ سے کھڑے ہیں۔ اور شام و کوفہ کی جبری بھرتی والے سپاہیوں سے جنگل چھلک رہا ہے۔

باطل کی پرورش دولت کرتی ہے، اور حق خدا کے سایہ میں پلتا ہے پسر سعد کے سر پر حشر زریں آفتاب کی شعاعوں میں ضرور جگمگا رہا ہے۔ مگر صرف چند گھنٹے، حسین کے سر پر نیزہ ہوب پڑ رہی ہے۔ مگر صرف عصر تک، باطل فرات کے پانی میں ڈوب رہا ہے اور حق فرات کے پانی کو ٹھکرا رہا ہے اگر حق پانی کو یوں ٹھکراتا کہ دور ہی سے دیکھتا تو یزیدی کہتے دریا پر قبضہ کرنا دس ہزار کمانداروں کی حرکت میں آسان تھوڑی تھا — مگر پیاسوں کے علم کے سبز پھریرے کے عکس کو فرات کی موجیں چوم رہی ہیں۔ بات کا دھنی علی کا فرزند دمکتی ہوئی تلواروں سے یوں نکلتا ہوا جا رہا ہے جیسے شمع کی لو سے انگلی نکلتی ہے شمر پکار کر کہتا ہے فرات کی حفاظت کرنے والے کمانداروں، عباس نے گھوڑا ڈال دیا ابن سعد آواز دیتا ہے تلواریں سوت کر حملہ کر دینے والوں پیاسا دریا کے پاس نہ جانے پائے دس ہزار کمانوں کے چلے عباس کے گھوڑے کی ڈھیلی باگ کو روکنے کے لئے کھنچے، اور ایک ہی نشانہ پر دس ہزار سنسناتے ہوئے تیر چلے — جی ہاں دنیا کو یہی سمجھنا چاہیئے کہ دس ہزار تیروں کے ایک نشانے کا وجود بھی نہ ہوگا۔ مگر واہ عباس کے گھوڑے نے ٹھوکر بھی تو نہ لی، تلوار کی بجلی کی لہریں فرق بھی تو نہ آیا۔ باطل کی ہوائیں نکل گئیں

اور حق کے چراغ کی لو تھلملائی بھی نہیں:-
دنیا والوں کی عقل میں جب جبر و اختیار نہ آیا تو بھلا وہ کیا سمجھ سکیں گے کہ ایک شخص نے دس ہزار کو کیوں روکا لیکن اگر فوج بھاگی نہیں تو عباس کے گھوڑے نے فرات میں پہونچ کر اطمینان کی سانس کیونکر لی۔
اسوقت مجھے اپنے ہی کہے ہوئے ایک نوحہ کا شعر یاد آگیا ہے

فوجوں نے بہت کچھ کوشش کی عباس بھلا اور رک جاتے
دریا نے قدم سے مل کے کہا پیاسے ہی کی اونچی بات رہی

سوکھی ہوئی مشک جتنی دیر میں بھیگ کر چھلکی اسوقت تک یزید کی وہ بہادر فوج جس کو ایک انسان نے تتر بتر کر دیا، تھا پھر واپس آگئی ---- اور جلو میں پانی لے کر پھینکدینے والے پیاسے پر پھر حملہ کردیا، دنیا کی عقل تو یہ کہتی ہے کہ اگر دس ہزار مٹھیوں کی خاک بھی ایک شخص پر ڈالدی جائے تو وہ چھپ جائیگا۔ لیکن دس ہزار تیر اور دس ہزار نیزے، اور دس ہزار تلواریں بھی نہ روک سکیں ---- کیا کہنا علی کے چہیتے ہوئے چاند کیا کہنا ---- تو دس ہزار فوج کے حملوں کو تو روک سکتا ہے مگر خدا کی مرضی اور حسین کی خوشی سے کیسے الگ ہو سکتا ہے مشک کے تیر نے ہمت توڑ دی اور ہاتھوں کے کٹ جانے سے آس ٹوٹی۔ پیاسے اور وفادار شیر کی زبان سے نکلے ہوئے یہ فقرے فضا میں لہرائے ____

"میری ڈھارس کرنیوالی سکینہ
تیرا چچا اب واپس نہ آئے گا"

اور
وفا کا چراغ ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا

نوحہ ہندی زبان میں

از جناب ساحل بلگرامی از رام پور

یوں بانو کی تھی پکار- آجاؤ پران ادھار
کیسے پڑے ہو اکبر کھا کے چھاتی پر تروار
سب رووت ہے سنسار- آجاؤ پران ادھار

دھڑکت ہے، دھرتی کی چھاتی،
ہاتھ ملت ہے- پانی پانی،
کانپے ہے پربت کا ہردے- تڑپے ہے نت دھار
ندی نے چھوڑو کرار- آجاؤ پران ادھار

توڑ دیا اکبر نے ناتا!
رین دنا تڑپے ہے ماتا
کس سے کہوں مکھڑا دکھلا دو کرو نینیاں چار
آنکھوں کا دیدو پیار- آجاؤ پران ادھار

سیس کو چرنن نیوڑھاتی
دنتی کرتی باتیں بناتی
جانے نہ دیتی میں اکبر کالی سے کرتی رار
اب ڈھونڈھوں بھٹکیں کس دوار آجاؤ پران ادھار

بیری ہوئی اس جگ کی مایا
کوئی نہیں اس دیش ہمارا
ڈگمگ ڈولے موری نیا دکھ کا ساگر اپار
سوجھت ناہیں کرار- آجاؤ پران ادھار

آشا تھی بدھ کی بیر آئی
آنکھ بچا کر نیر بہائی
پریم کے ہاتھوں بنر کو اپنے پہناتی میں ہار
پھر کہتی ہاتھ پسار آجاؤ پران ادھار

چاروں اور ہے دکھ کی چھایا ساحل پلٹی جگ کی کایا
جل کے بدلے رن ماں برسے ہے لوہو کی بوچھار
نت چمکت ہے تروار آجاؤ پریم ادھار

روایت

از جناب حشمت نفیس بانو صاحبہ رضویہ بنت جناب سید ہدایت حسین صاحب رضوی لکھنوی

اکثر روایتوں سے یہ ثابت ہے واقعہ
دنیا سے جب ارم میں گئیں بنت مصطفیٰ
سبطین غم میں روتے تھے مادر کے رات دن
حجرے میں بیٹھ کر وہ کیا کرتے تھے بکا
ماں کے غم فراق سے رہتے تھے بیقرار
فرزندوں کو تشفی سے رکھتے تھے مرتضیٰ
تعلیم کا پدر کی اثر اُن دلوں پہ تھا
ہجر جناب فاطمہ کا رنج کم ہوا
تھے عقد کی تلاش میں سردار اوصیا
کرکے طلب عقیل کو مولا نے یہ کہا
آگاہ تم بخوبی نسب سے عرب کے ہو
واقف ہو تم ہر ایک سے اچھا ہو یا برا
ہے کون خاندان شجاعت میں انتخاب
لڑکی سے اوس گھرانے کی تا عقد ہو مرا
فرزند اک شجاع مجھے حق عطا کرے
کام آئے میرے بچے کے جو روز کربلا
اک وقت آنیوالا ہے جب میں نہ ہوؤنگا
ہو گی مرے حسین پہ تنہائی میں جفا
ارشاد مرتضیٰ کا سُنا جب عقیل نے
کی عرض حکم آپ کا لاتا ہوں میں بجا
المختصر عقیل نے کوشش جو دل سے کی
حیدر سے عقد ہو گیا ام البنین کا
جس دن کی تھی امید وہ حق نے دکھا دیا
پیدا ہوئے جہان میں عباس باوفا
لے کر پسر کو حیدر کرار رو دیئے
پھر گود میں حسین کی عباس کو دیا
گودی میں جب حسین کی آیا وہ نیم چشم
آنکھیں کھلیں نظر پڑا چہرا حسین کا
عباس کو لگا لیا سینے سے شاہ نے
بازو قوی جہان میں شبیر کا ہوا
ایک ایک سے بیان یہ کرتے تھے مرتضیٰ
فوج حسین میں یہ علمدار ہوئے گا
ہو گی چڑھائی فاطمہ زہرا کے لال پر
بچوں پہ پانی بند کریں گے جب اشقیا
اس ظلم کو نہ دیکھ سکے گا یہ میرا شیر
اک مشک لے کے نہر میں پانی کو جائیگا
گھیرے گی فوج شام کی ہر سمت سے اوسے
ماریں گے تیر و گرز گراں تن پہ اشقیا
مشکیزہ پر خدنگ لگے گا دلیر کے
اور سر پہ گرز کھا کے لہو میں نہائے گا
القصہ جس کا ذکر کیا کرتے تھے علیؑ
دور زمانہ بدلا وہی وقت آ گیا
گھر میں خدا کے مارے گئے شیر کردگار
اور زہرا بلی کے دہر سے شبیر بھی اٹھ گیا

بس ایک دم حسین کا دنیا میں رہ گیا
باقی تھی جس سے روشنی دینِ مصطفےٰ!

بھیجے ہزاروں خط شہ عالی وقار کو
امت نے قبر جد پہ بھی رہنے نہیں دیا،

بھائی بھتیجے بھانجے بچوں کو لے کے ساتھ
مجبور ہو کے شاہ نے قصد سفر کیا

ناموسِ مصطفےٰ بھی جو تھے شہ کے ساتھ ساتھ
مصروف انتظام تھے عباس باوفا

طے منزلوں کو کرتا ہوا شاہ مشرقین
پہونچا ہے دوسری کو محرم کی کربلا

فوجوں کا تیسری سے ہوا اتنا اژدہام
تعداد کا شمار کسی کو نہ ہو سکا!

منزل پہ اپنی جب شہ والا پہونچ گئے
بس چلتے چلتے اسپ وفادار رک گیا

شہ نے زمین مول لی قبروں کیواسطے
برپا ہوئے خیام شہنشاہ دوسرا

بند آب ساتویں سے ہوا پیاسوں پر!
دسویں کو اہلبیت کے خیمے میں حشر تھا

ہاتھوں میں خالی کوزے لئے خورد سال بچو
جھولے میں غش میں تھا علی اصغر سا مہ لقا

انصار سر کٹائے ہوئے رن میں تھے پڑے
قاسم شہید ہو چکا شبر کا لاڈلا،

بیتاب و بے قرار ہیں عباس نم چشم
قدموں پہ شہ کے سر کو رکھے ہیں بصد بکا

کرتے ہیں عرض ہو جو اجازت حضور کی
دریا سے پانی لاؤں اور اعدا کو دوں سزا

شہ نے کہا تو اچھا سدھارو پہ رو دیئے
سمجھے ہوئے تھے ہوتے ہیں عباس بھی جدا

پایا جو اذن خیمہ میں تشریف لائے آپ
گودی میں لے کے بالی سکینہ سے یہ کہا

پانی تمہارے واسطے لینے کو جاتے ہیں
اک مشک لادو بیٹی نہ روؤ چچا ہے جدا

مشکیزہ دیکے بولی سکینہ جگر فگار
اصغر پڑا ہے پیاس سے بیہوش اے چچا

شبیر کو ادب سے کیا جھک کے پھر سلام
پھر پشتِ زیں پہ آن کے دریا کا رخ کیا

لشکر میں تہلکہ تھا کہ آیا علی کا شیر
دریا کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگے سب اشقیا!

دریا میں گھوڑا ڈال کے اعدا سے بولے آپ
قبضے میں کس کے گھاٹ ہے بتلاؤ اب ذرا

چومے قدم حبابوں نے ضیغم کے آنکھوں سے
مل مل کے ہاتھ موجوں نے ماتم کیا بپا

یاد آگئی جو پیاس شہ تشنہ کام کی!
چلو میں جو لیا تھا وہ پانی بہا دیا!

پانی سے مشک بھر کے رکھی دوش پاک پر،
گھوڑے کی باگ تھام کے خیمے کا رخ کیا

چلا کے ابن سعد پکارا یہ فوج سے،!
پانی نہ جائے خیمۂ شبیر میں ذرا، !

چاروں طرف سے وار کرو تیغ و تیر کے ! میداں میں گھیر کر اوسے گھوڑے سے دو گرا
چھلنی بنا دو مشک کو تیروں سے چھید کر، پانی کے ساتھ خون بہا دو دلیر کا
چاروں طرف سے گھیر لیا فوج شام نے برسائے اتنے تیر کہ زخمی جگر ہوا
اک دشمنِ خدا نے لگائی جو چھپ کے تیغ وہ ہاتھ جسمیں مشک تھی تن سے جدا ہوا
لی تیغ بائیں ہاتھ میں پھر حملہ ور ہوئے زخمی ہوا جو شیر تو غصہ بھی بڑھ گیا
پھر اک شقی نے وار کیا بائیں ہاتھ پر، شانے سے دستِ چپ بھی جدا رن میں ہوگیا
مشکیزہ کو دبا لیا دانتوں سے شیر نے مہمیز کی کہ خیمے پہ پہونچے یہ باوفا !
اک تیر آکے پڑ گیا افسوس مشک پر پانی میں ملکے بہنے لگا خوں دلیر کا
پھر اک شقی کا گرز پڑا فرقِ پاک پر پھر تیر آ کے آنکھ پہ عباس کے پڑا
گھوڑے سے ڈگمگا کے گرا رن میں وہ دلیر! مولا کو دی صدا کہ غلام اب فدا ہوا،
تھا آپ کا فدائی تو ہاتھ آیا یہ شرف آئے ہیں اس غلام کے لینے کو مرتضا
بالیں پہ میری روتی ہیں بیٹی رسول کی بیچین میرے غم میں ہیں پیغمبر خدا
تھامے کمر جو نہر پہ پہونچے امام دیں، دیکھا کہ کوئی لمحے کا مہماں ہے باوفا
اک آہ بھر کے رو دیئے شبیرِ تشنہ لب زانو پہ سر کو رکھ کے یہ عباس سے کہا
عباس تم نے مر کے کمر میری توڑ دی، مجھکو اکیلا چھوڑ کے ہوتے ہو تم جدا
بھیا خموش کیوں ہو وصیت کرو کوئی. کچھ تو کہو زباں سے کہ لاؤں اسے بجا
کی عرض آرزو ہے بس اتنی غلام کی مرتا ہوں جس جگہ یہیں لاشہ رہے مرا
لے جایئے گا خیمے میں مولا نہ میری لاش بیٹی سے آپ کی مجھے آ جائے گی حیا
باتیں یہ ہو رہی تھیں کہ سینہ میں اکھڑی سانس انگڑائی لے کے بھائی نے بھائی سے یہ کہا
افسوس ہے کہ بچے نہ سیراب ہو سکے قسمت نے شرمسار مجھے سب سے کر دیا
پوچھے اگر سکینہ تو کہیئے گا شاہ دیں کٹوا کے ہاتھ رن میں چچا تیرا مر گیا !
لوحِ جبیں پہ آیا پسینہ جو موت کا ہچکی کے ساتھ سانس رکی دم نکل گیا
تم نے لکھی نفیس روایت یہ لاجواب اس نظم کا ملے گا علمدار سے صلا

فتح حق و شکست باطل

از جناب مولانا سید محمد محسن صاحب قبلہ نبیرہ سرکار
صدر الشریعہ حضرت نجم العلما طاب ثراہ

امام حسین کے عظیم الشان واقعۂ شہادت اور لاجواب کارناموں کو ان کے صبر و استقلال کے بے نظیر مرقع اور مظلومیت کی درد بھری داستان کو تاریخ اسلام کا سنہری ورق سمجھا جاتا ہے صدیاں گذر گئیں مگر جب مظلوم کا نام سامنے آتا ہے تو اُن کی خونی داستان برافگندہ نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے ان کی اس پرخلوص ولاجواب قربانی کا اثر دنیا پر اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھا۔ اور ان کے وقعات دنیا کے سامنے ابتک اسی طرح صحیفۂ ہدایت بن کر سامنے آتے رہتے ہیں جس طرح زمانہ ماسبق میں پیش کئے جاتے تھے اب میں صاحبان بصیرت سے یہ سوال کروں گا کہ آخر حسینی کارناموں میں کیوں اتنا اثر پوشیدہ ہے کونسی ایسی قدرت کونسی ایسی خصوصیت ہے جس کی بنا پر دنیا اس کو کسی طرح نہیں بھولتی بلکہ جتنا بھی اُن کے نام کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اسی قدر ان کا نام ابھرتا جاتا ہے اور تیرہ سو برس بعد بھی ان کی مظلومیت و حقانیت کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بج رہا ہے ہر قوم و ملت کے افراد ان کی المناک داستان کو محرم کے مخصوص ایام میں سنتے اور اس سے غم کے آنسو بہاتے نظر آتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حسین ابن علی نے تین دن کی بھوک و پیاس گوارا کر کے اشقیاء کوفہ و شام کے بہیمانہ مظالم برداشت کر کے اپنے جگر پاروں کو کربلا کی دہکتی ہوئی زمین پر رسول اسلام کے پھیلائے ہوئے دین حق پر قربان کر کے یہ بتا دیا کہ حق پرستی کس کو کہتے ہیں۔

امام حسین نے مسلک حقہ پر اپنے کو قربان ضرور کیا مگر یونہی نہیں بلکہ ہر حیثیت سے اپنا دامن پاک وصاف رکھتے ہوئے کیا حسین ابن علی نے اس جنگ میں خود ابتدا کی تھی؟ نہیں، نہیں بلکہ پہلے حملہ ادھیں جفا پرستوں کی طرف سے ہوا جن کی رگوں میں بربریت و سفاکیت کا خون جوش کھا رہا تھا جن کا مسلک حقیقی ظلم و جور تھا جنہوں نے باطناً رسول اسلام کی مخالفت میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھی تھی ادھیں لوگوں نے رسول کے چہیتے فرزند کو خود ہی وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اور کربلا میں مہمان بلا کر ان سے آمادۂ پیکار ہونے لگے۔ حقیقتاً ادھیں لوگوں نے پہلے فاطمہ کے لال پر حملہ کیا مگر حسین ابن علی نے اس حملہ کو روکا اور ایک شب کی اجازت طلب کی دشمنوں نے پہلے تو انکار کیا مگر بعد میں اختلافات کے بعد مہلت دیدی امام نے یہ ایک شب کی اجازت اسلیئے طلب کی تھی تاکہ دل کھول کر آخری مرتبہ پرخلوص عبادت رب کر لی جائے۔ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شب حسینؑ اصحاب حسین نے عبادت رب میں گذاردی جب صبح ہوئی تو پھر جنگ کا سامان شروع ہوا۔ ادھر لشکر مخالف کی صف بندی ہوئی۔ ادھر امام نے بھی اپنے چھوٹے سے لشکر کی ترتیب دی جب دونوں لشکر صف آرا ہو گئے تو پھر امام نے اتمام حجت کے لئے اپنا حسب ونسب اور رضائے رسالتمآب سے اپنے خاص تعلق کو بتایا اور احادیث رسول کی طرف متوجہ کر کے اپنا دفتر ہدایت بند فرما دیا جب امام خاموش ہو گئے تو باوفا اصحاب نے ہدایت شروع کی۔ ظہیر قین نے بھی بہت کافی نصیحت کی مگر اُن لوگوں نے شفاعت رسول کا مطلق خیال نہ کیا اور اولاد رسول کا خون بہانے سے نہ ہٹے جب امام نے دیکھا کہ لشکر مخالف کسی طرح اپنے ارادے سے باز نہیں آتا تو آپ نے ظہیر کو واپس بلا لیا ان تمام نصیحتوں کا اثر اُس

شخص یہ بڑا جو حسین کو یہاں گھیر کر لایا۔ اس کے نام کی طرف غالباً ناظرین کا ذہن پہونچ گیا ہوگا یہ وہی ہے جس سے امام نے پوچھا تھا کہ تیرا کیا نام ہے تو اس نے بتایا کہ میرا نام (حر) ہے لیکن دل میں بچپن کی پرانی محبت پوشیدہ تھی جس کی بنا پر ایسے پرہول نازک وقت میں دنیاوی عزت کا پاس و لحاظ نہ کرتے ہوئے رسول کے چہیتے فرزند پر قربان ہونے کے لئے کمر ہمت باندھ کر اٹھا پسر سعد کے پاس آیا اور اس کو جنگ سے منع کیا۔ مگر وہ یہی کہتا رہا اب جب حسین ہمارے قبضہ میں آگئے ہیں تو جنگ ضرور ہوگی یہ سن کے بعد حر لشکر یزید سے نکل کر لشکر حسینی میں یہ کہہ کر شامل ہوگیا کہ مجھے جنت کے سامنے دوزخ کی آگ میں جلنا کسی طرح پسند نہیں۔ امام کے پاس حر نے آنے کے بعد کہا کہ میں وہی مجرم ہوں جس نے آپ کو یہاں تک پہونچایا میری خطا کو معاف فرما دیجئے۔ امام نے فرمایا کہ تیری ماں نے تیرا نام حر رکھا ہے تو دنیا میں بھی آزاد ہے اور آخرت میں بھی آزاد۔ بہرحال حر امام کے پاس آیا اور اجازت جنگ طلب کی اور امام نے اجازت مرحمت فرمائی۔

ناظرین نے دیکھ لیا کہ وہی شخص جو کچھ دیر پہلے لشکر مخالف میں تھا اب اس کا مخالف ہو کر اس کے سامنے کھڑا ہوا یہ کہہ رہا ہے کہ حسین سے جنگ کرنے سے باز آؤ تم نے ان کے بچوں پر پانی بند کر دیا ہے ان کو پانی دیدو اس لئے کہ اس سے تو سگ و خوک سب ہی سیراب ہوتے ہیں۔ مگر اس تقریر کا بھی کوئی اثر نہوا۔ اور آخر حر جری پر حملہ ہو ہی گیا ابھی جنگ ٹھیک سے شروع نہیں ہوئی تھی کہ اپنے امام نے حر کو اپنے پاس بلا لیا بہرحال آپنے ملاحظہ فرما لیا کہ ابتدا میں یہ جنگ کس طرف سے ہوئی آپنے یہ دیکھ لیا کہ حسین ابن علی نے فساد رفع کرنے کی کتنی کوشش کی مگر افسوس مفسدہ پرداز دل جاہ پرستوں حصول زر پر مرنیوالو نیز زرہ برابر اثر نہوا اور قتل حسین پر آمادہ ہو گئے۔ مگر رسول کا چہیتا فرزند آخر دم تک اسی پر تلا رہا کہ جس طرح بھی ہوگا میں نانا کے پھیلائے ہوئے دین کو رسوا نہ کراؤں گا اور بیعت فاسق نہ کروں گا اور اسی بات پر جان دیدی۔ بیعت نہ کی اور دین نبی میں رخنہ ڈالنے کی جو کوششیں کی جا رہی تھیں ان کو اپنا اور اپنی اولاد کا خون بہا کر فنا کر دیا حسین اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے اور یزیدیت کو شکست ہوئی۔

حضور عباس ابن علی ع

ازجناب شوکت سامانوی سبزواری بی اے

نہ آیا نہر پر جا نا ترا راس،
کٹائے شانہ و سر تو نے عباس
کمر ٹوٹی ترے مرنے سے شہ کی
محیط زندگانی ہو گئی یاس،

علی کے ملتے ہیں سب تجھ میں آثار
ہے تجھ میں قوت بازوئے کرار
علی جس طرح شیدا تھے نبی پر
فدا تو شاہ دیں پر ہے علمدار

سبق سیکھے کوئی تجھ سے وفا کا
نہ چھوڑا ساتھ شاہ دوسرا کا
نہیں ممکن تری شہ سے جدائی
رہا عاجز یہ جھونکا بھی قضا کا

علمدار حسین ابن علی ہے
تو عباس جری ابن جری ہے
خبر پا کر تری آمد کی لے شیر
سپاہ شام کانپی ہے ڈری ہے



ازجناب نواب سید اختر حسین صاحب مصور لکھنوی آنریری

عاشور کے دن یارب یہ کیسی قیامت ہے،
جلتی ہوئی ریتی ہے اور ماہ امامت ہے،

شبیر ہیں سجدے میں شمشیر ہے گردن پر
محراب ہے خنجر کی، محراب عبادت ہے،

کیا ہوتے جوانی میں ناوک نہ اگر پڑتا!
بچپن میں علی اصغر جب اتنی شجاعت ہے،

یوں دیکھ کے حسرت سے اکبر کو کہا ماں نے
اللہ تمھیں رکھے کیا چاندسی صورت ہے،

جاتے ہیں علی اکبر مرنے کو جو مقتل میں،
خیموں میں شہ دیں کے اک شور قیامت ہے،

ہے خون میں سرور کے احمد کا لہو شامل
جلوؤں میں امامت کے پوشیدہ نبوت ہے،

رکھنا مرے بچہ کو آرام سے شہ بولے
اے قبر علی اصغر بانو کی امانت ہے،

لاتے ہیں شہ والا رنہیں علی اصغر کو!
منظور شہ دیں کو امت کی شفاعت ہے،

کنگنے کی جگہ رسی باندھی گئی ہاتھوں میں
اک رات کی بیاہی ہے کیسی یہ مصیبت ہے،

کیوں فکر مصور ہے خالق پہ رہو شاکر
وہ صاحب قدرت ہے، وہ مالک رحمت ہے،



ازجناب محمد عباس صاحب طالب صفوی فتحگڈھ یوپی

برخیز ساقی مے بدہ آں مے کہ حرماں پرورد،
اندہ دہد شادی برد در قلب طوفاں پرورد

از اشکِ چشمِ خونفشاں بر زخمِ دل مرہم نہد
ہم درد را افزوں کند ہم عین درماں پرورد

از آتشِ سوزِ دروں سوزد خیالِ ماسوا
واز نشترِ رنج و محن تن بشکند جاں پرورد

بر آسماں ظاہر شدہ امشب مہِ ماہِ عزا،
گوئی کہ در قلب و جگر صد نوکِ پیکاں پرورد

در بادۂ خم غدیر آمیز اشکِ مومنیں
ایں قلبِ سوزاں پرورد واں چشمِ گریاں پرورد

در ماتمِ سبطِ نبی، مومن خرد گر جرعۂ
در قلب آتش پرورد، در چشم باراں پرورد

سبطِ نبی کو اں ذکی یعنی حسین ابنِ علیؑ
کو را بدل روح الامیں گہوارہ جنباں پرورد

صالح، رضی و متقی، ہادی و مہدی و ولی،
ادنیٰ غلام درگہش سلطان و خاقاں پرورد

حرزِ زمیں حفظِ زماں سلطانِ دیں شاہِ جہاں
فیضِ وجودش انس و جاں در ظلِ جہاں پرورد

شاہے کہ از تیغِ یقیں نخلِ اہرمن برکند
وز جوئے خونِ اصغرش بستانِ یزداں پرورد

سکہ رانِ اقلیم شجاعت

ازجناب سید محمد محسن صاحب بدر نبیرۂ حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام استاذ العلما فقیہ الفقہا مولانا سید (سبط الحسن صاحب قبلہ) :

یوں تو دنیا نے لاکھوں بہادر ایسے پیدا کئے جنہوں نے اپنی اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور خراج تحسین حاصل کرکے مادر فنا کی آغوش ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گہری نیند میں محو ہو گئے لیکن عرب کا خطہ اس صفت میں کچھ ایسا ممتاز تھا کہ جس نے ہزاروں ہی بہادر پیدا کر دیئے مگر بنی ہاشم کا قبیلہ شجاعت میں ضرب المثل تھا اور اس کی بہادری کا سکہ چار دانگ عالم میں رائج تھا ان کا چھوٹے سے چھوٹا بھی وہ جرات و ہمت رکھتا تھا جو دوسرے قبیلوں کے بڑے بڑے سرداروں کو بھی نصیب نہیں تھی بنی ہاشم نے دنیا کے سامنے وہ کارنامے پیش کئے جن کے بعد شجاعت کا خاتمہ ہو گیا اور اہل دنیا انگشت بدنداں رہ گئے۔ جن کے متعلق آج تک تاریخ کے اوراق بہ بانگ دہل پکار پکار کہہ رہے ہیں کہ یہی وہ شجاع تھے جو اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ جن کا غم کتابوں تک کے سینوں میں ہے۔ سطریں ماتمی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ الفاظ سروں کو توڑتے ہوتے ہیں۔ بنی ہاشم میں جناب عباس کی وہ ذات تھی کہ مثل پدر و برادر جان شجاعت و روح بہادری تھی آپ کا مرتبہ تمام شجاعوں میں وہی ہے جو مرتبہ بزم انجم میں ماہتاب کا ہے یا جو رتبہ محفل نور میں خورشید خاور کو حاصل ہے یا جو فخر زمین کو نہیں ارض کربلا کو نصیب ہے، بے شبہ جناب عباس اپنے وقت کے حضرت علی تھے اور حضرت علی نے مادر جناب عباس یعنے جناب ام البنین سے عقد ہی اسی لئے فرمایا تھا کہ خداوند عالم آپ کو ایک شجاع فرزند عطا کرے جناب عباس کی وقت ولادت سارا گھر فرط مسرت سے سرشار ہوگا امیر المومنین کو مسرت ہوگی کہ حسین کو ناصر ملا۔ جناب ام البنین کو خوشی ہوگی کہ سیدہ کے لال کا فدائی دنیا میں آیا۔ خود حسین کو خوشی ہوگی کہ میرا علمدار اور قوت بازو پیدا ہوا۔ جناب عباس کو خلاق عالم نے بچپنے ہی میں شجاعت کے وہ جوہر عنایت فرمائے تھے جو اوروں کو معراج شجاعت پر پہونچنے کے بعد بھی نہیں عطا کئے یہی وجہ تھی کہ آپ نو برس کے سن میں وہ معرکۃ الآرا جنگ کی جس کی داد دنیا کے ہر ذرہ نے دی صفین کا میدان تھا لشکر صف بستہ تھے لڑائی چھڑی ہوئی تھی اور فوج شام نے دریا پر قبضہ کرکے امیر المومنین کے لشکر کو پانی لینے سے روک دیا چند صحابہ نے امیر المومنین سے آکر شکایت کی آپ نے سر جھکا لیا یہ دیکھ کر حسنین اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو ہم گھاٹ کو اپنے قبضہ میں کر لیں امیر المومنین نے اجازت دی اور حسنین چلے جب عباس نے دیکھا کہ حسین جا رہے ہیں تو اس قلیل عمر میں خود بھی وغا کے لئے ساتھ ساتھ ہو لئے لشکر کے قریب پہونچ کر گھوڑا فوج میں ڈالدیا اور بنی ہاشم کا چاند شام کے سیاہ بادلوں میں چھپ گیا اسوقت آپ کی جنگ کا یہ عالم تھا کہ جس سمت پر حملہ کر دیتے تھے الامان الامان کی صدائیں بلند ہونے لگتی تھیں اگرچہ آپ کا سن ۹ نو ہی برس کا تھا مگر بازوؤں کی قوت بتا رہی تھی کہ بیشک اگر ید اللہ کا دلبند بچ گیا تو ایکدن ان ہاتھوں کو بھی خیبر سے در کی ضرورت ہوگی۔ آج عباس کا وقار بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ حسین لڑتے رہے ہیں مگر باوفا بھائی کی نگرانی بھی کرتے جا رہے ہیں۔ جناب عباس کے داہنی طرف حسین بائیں جانب مالک اشتر پشت پر ابراہیم ابن مالک اشتر اور

عباس سامنے والوں کو نذر شمشیر کرتے جاتے رہے ہیں یہ کمسنی پہلے پہل کی لڑائی اور پھر علی ابن ابی طالب کی سکھائی ہوئی چوٹیں وہ ضرب المثل وار تھے جو دلوں پر نقش ڈال گئے اور جنہوں نے عباس کی شجاعت کا سکہ قلب پر بٹھا دیا۔ یہ تو بچپن کا عالم تھا جس کی شجاعت کا خاکہ پیش کیا گیا لیکن جوانی میں تو وہ کارنمایاں دکھائے کہ آج تک حسین کے نام کے ساتھ ساتھ عباس کا نام بھی مثل روز روشن کے موجود رہے جہاں عزاخانوں میں امام حسین کی ضریح اقدس ہو وہاں ابوالفضل العباس کا علم بھی موجود ہے۔ جناب عباس نے اپنی زندگی میں کبھی امام حسین پر کوئی آنچ نہیں آنے دی اور ہر آڑے وقت میں کام آئے جب مظلوم کربلا ارض ماریہ میں پہونچے اور آپ کے خیمے دریا کے کنارے نصب کئے گئے اور فوج شام نے چاہا کہ حسین کے خیمے اکھڑوا کر اپنے خیمے نصب کرے تو ابن اسد کردگار کو جلال آگیا۔ آپنے تلوار میان سے کھینچ لی اور فرمایا کہ کیوں تمہارے سروں پر کھیل رہی ہے تمہارے بھی یہ مجال ہے کہ حسین کے خیام ہٹا کر اپنا قبضہ جما لو قریب تھا کہ اس گفتگو سے لڑائی ہونے لگے مگر امام نہیں چاہتے تھے کہ اپنے مقصد کے علاوہ دشمنوں یا تو پہر جنگ کریں اس لئے کہ آپ کا نصب العین تو اس سے بہت بلند تھا آپکی نظر میں تو اسلام کی حیات و ممات کا مسئلہ تھا اسی وجہ سے آپنے جناب عباس کو جنگ سے روک دیا فرمایا کہ بھیا تم کو میرے سر کی قسم گھاٹ چھوڑ دو ہم خشکی ہی میں بسر کر لیں گے انھیں کو دریا پر رہنے دو۔ جناب عباس اگرچہ بہت بہادر تھے تو مطیع و فرمانبردار بھی بہت تھے حکم امام سنتے ہی سر جھکا لیا۔ جناب عباس کی اطاعت کی اعلیٰ ترین مثال ہے اس لئے کہ جب بہادر کو غیظ آجاتا ہے پھر بغیر انتقام لئے ہوئے باز نہیں آتا اور پھر

بہادر بھی جناب سا کہ جو اپنے زمانہ میں جرأت وہمت میں فرد فرید تھا اور پھر کربلا میں جناب عباس کی بھرپور جوانی تھی اور زور شباب کا یہ عالم تھا کہ جب نویں تاریخ عمر سعد کی فوجیں بڑھنے لگیں اور امام حسین نے اپنے کمانڈر جناب عباس کو استفسار حال کے لئے بھیجا اور آپ نے جا کر پوچھا کہ آخر تمہارا مقصد کیا ہے جواب ملا کہ حسین سے کہہ دو کہ اگر بیعت نہیں منظور کی ہے تو پھر جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں یہ سنکر عرب کے حقیقی بہادر جناب عباس نے نیزہ سے زمین پر ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ دیکھو جب تک میں اپنے آقا سے اجازت نہ لے آؤں خبردار اس خط سے آگے نہ بڑھنا۔ حضرت کی وہ دھاک تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو خط سے آگے قدم بڑھا دیتا جناب عباس امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی آقا یہ لوگ جنگ کیلئے تیار ہیں آپنے فرمایا کہ اگر ہو سکے تو ان سے ایک رات کی مہلت طلب کر لو جناب عباس پلٹ کر تشریف لائے اور ایک رات کی مہلت طلب کی جو بہ ہزار دشواری منظور ہوئی دسویں شب دن قریب ختم تھا مغربی افق پر زرد ہوتے ہوئے سورج کی الوداعی کرنیں تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہی تھیں۔ آفتاب خیمۂ مغرب میں روپوش ہو گیا تھا عروس شب گھونگھٹ نکالے ہوئے برآمد ہو چکی تھی، دسویں شب کا چاند نور کے غبار میں لپٹا ہوا اوپر آ ہو چکا تھا۔ قمر بنی ہاشم خیام کا طلایہ پھر رہے تھے یا دنیائے حق عالم کی بلائیں لے رہی تھی ایسے زہیر ابن قین حاضر ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ایک دن بعد وفات جناب سیدہ آپکے پدر بزرگوار نے اپنے بھائی جناب عقیل سے فرمایا کہ میں ایک ایسے شجاع قبیلہ کی عورت سے عقد کرنا چاہتا ہوں جس سے خداوند عالم مجھکو ایک دلاور فرزند عنایت کرے امیرالمومنین کی اس فرمائش پر جناب عقیل نے آپ کی مادر گرامی کو منتخب فرمایا اور خداوندعالم نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو گلستان عدم سے

عمامہ و جبہ و تیغ بھیجا اے آقا آپ کو جناب امیر نے اسی دن کے لئے ذخیرہ فرمایا تھا یہ سنتے ہی علی کے شیر نے بیٹھے بیٹھے زین پہ انگڑائی لی اور ساتھ ہی رکابوں نے ٹوٹ کر شجاعت کی داد دی۔ اور فرمایا کہ اے زہیر تم مجھ کو آج کے دن شجاعت دلانے آئے ہو صبح ہونے دو تو دیکھنا کیسی جنگ کرتا ہوں جناب عباس کے الفاظ کا زور بتا رہا کہ اگر اجازت ملتی تو پھر فرات میں خون پانی کی طرح بہے گا تیسری رات بھر کروٹیں بدلتا رہا کہ کسی طرح صبح ہو تو دنیا کو الٹ دوں خدا خدا کر کے رات کا دم ٹوٹا۔ صبح کا ستارا چمکا اور پو پھٹتے ہی ہم شبیہ پیغمبر نے اذان دی اور صبح ۔ ب کو رسول کا زمانہ یاد آ گیا آنکھوں میں پیغمبر کی تصویر پھرنے لگی اور سنگا ہوں میں رسول اللہ کا نقشہ کھینچ گیا۔ آفتاب طالع ہوا شفق نے شہدا کی شہادت کے محضر پیش کیا ظہر سے چند ساعت پہلے ہی طبل جنگ بجا اور اصحاب حسین ایک ایک کر کے شہید ہونے لگے جب اصحاب اور اکثر اعزا بھی جام شہادت نوش فرما چکے تو اب حسینی علمدار نے اپنے ہم سن بھائیوں کو بلایا اور فرمایا کہ بھیو اولاد جعفر و عقیل و جناب امام حسن شہید ہو چکے اب تمہاری باری ہے اب تم جا کر اپنی اپنی جانیں مظلوم کربلا پر نثار کرو اور اگر افسوس تم نے اپنی جانیں نثار نہ کیں تو پھر حیدر کرار ہم سے شاد نہ ہونگے، کیا نیک کمائی تھی جناب ام البنین کی سب ہم آواز ہو کر بولے کہ ہم خود مشتاق شہادت ہیں اس کے بعد ایک ایک کر کے تینوں بھائی جناب عباسؑ کے ایک ایک کر کے شہید ہوئے جناب عباسؑ جب اپنے سامنے بھائیوں کو خاک و خون میں آلودہ دیکھ لیا تو اب خود مہیات مرگ و قضا ہوئے امام سے عرض کی مولا اب اجازت مرحمت ہو مگر امام نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تم تو میرے لشکر کے سردار ہو جناب عباسؑ نے عرض کی آقا اب وہ لشکر ہی کہاں رہا جس کا میں سردار تھا امام حسین کے خلوص و محبت میں ڈوبے ہوئے الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ کو جناب عباس کے اکیلے دم پر

اتنا ہی بھروسہ تھا کہ جتنا بھروسہ پورے لشکر پر تھا، بالآخر جب دل میں شجاعت کے ولولے رہ رہ کر مچلنے لگے اور آتش جنگ بھڑکنے لگی اور امام کو پورا یقین ہو گیا کہ اب جری بغیر جنگ کئے نہیں رہ سکتا تو فرمایا اگر ممکن ہو تو بچوں کیواسطے تھوڑا سا پانی مہیا کر دو یہ سنتے ہی جناب عباس کا چہرہ بشاش ہو گیا۔ رخ پر خوشی کے آثار نمایاں ہو گئے خیمہ میں جا کر اپنی لاڈلی بھتیجی جناب سکینہ سے مشکیزہ طلب کیا اور ایک ایک کو رخصت کرنے لگے جناب زینب کو یقین ہو گیا کہ اب اسیری ضروری ہے اور مشکیں ہتھکڑیاں بندھیں گی جناب ام کلثوم کی آس ٹوٹ گئی سب مایوس ہو گئے اس لئے کہ جناب عباسؑ کی شجاعت سے مخدرات عصمت کو یقین تھا کہ جبتک عباس کے دم میں دم ہے کسی کی مجال نہیں کہ وہ امام کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے۔ غرض آپ سب کو رخصت کر کے خیمہ سے باہر نکلے اور پرچم کو لہراتے ہوئے فرات کی طرف چلے آج جناب عباس میں اسد اللہی دبدبہ ہے۔ حمزہ کی شوکت ہے جعفر کی شان ہے اور ابوطالب کی ہیبت ہے۔ گھوڑے کو مہمیز کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں فوج مخالف کی نظریں پڑیں اور لشکر خائف ہو گیا جری کی آمد سے تن لرزے میں آ گئے [illegible] کانپ رہا تھا۔ آپ فرات کی طرف بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے [illegible] ہوا اور نے [illegible] ہی [illegible] میں لشکر کو تتر بتر کر دیا [illegible] ہی ملیود بھاگ گئے اور اس شیر نے اپنا گھوڑا فرات میں ڈالدیا موجوں نے بڑھ کر قدمبوسی کی پانی گھوڑوں کے سموں سے لپٹ گیا۔ آپ نے خشک مشکیزہ پانی میں ڈبو دیا اور چلو میں پانی لے کر دنیا کو بتا دیا کہ دیکھو دریا ہمارے قبضہ میں ہے اگر چاہیں تو ابھی سیراب ہو سکتے ہیں۔ فقط بتا کر مشک اٹھا لی اور باہر نکل آئے خیمہ کا رخ کیا بھاگی ہوئی فوج جمع ہو چکی تھی پانی لیجاتے ہوئے دیکھ کر سب نے چاروں طرف سے گھیر لیا مگر بہادر کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑھے ہی جا رہا تھا اور مخالفوں کو دفع کرتا جا رہا تھا ہزاروں کا خون ہو گیا لاشوں کا

انبار لگ گیا اور جو سامنے آیا وہ موت کے گھاٹ اترا جب یوں مقابلہ نہ کر سکے اور کچھ بس نہ چلا تو ایک شقی نے پس پشت سے وار کیا اور آپ کا داہنا ہاتھ جدا ہو گیا حضرت نے دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر جنگ کرنا شروع کی لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ آج عباس کی شجاعت کا مظاہرہ ایسی حالت میں کیا جائے کہ آج تک کسی نے اس حالت میں جنگ نہ کی ہو اور آپ کا دوسرا ہاتھ بھی قطع ہو گیا اب حضرت نے مشکیزہ کا تسمہ دانتوں میں دبایا اور امانت سکینہ سینے سے لگائی اور اس خیال میں کہ پانی کسی طرح خیمہ تک پہونچ جائے گھوڑے کو ایڑ دیتے ہوئے چلے جا رہے ہیں ایسی حالت میں کہ جب دونوں ہاتھ کٹ چکے ہوں جناب عباس ہی کا کام تھا کہ گھوڑا بڑھائے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ جناب عباس کا یہ حال تو اجازت نہ ملنے پر تھا اگر کہیں اجازت مل جاتی تو قیامت ہی ہو جاتی۔ یکایک گرز کھا کر زمین پر تشریف لائے اور بھائی کو بھائی نے آواز دی اور حسین لڑکھڑاتے اور بیچارگی کا حیلہ کرتے ہوئے لاش پر پہونچے سر اٹھا کر زانوئے مبارک پر رکھ لیا بہادر نے آنکھیں کھول کر امام کے چہرے کو دیکھا اور۔ مگر ہچکیاں آنا شروع ہو گئیں ہاتھ پیر ٹوٹنے لگے موت کا پسینہ نمایاں ہو گیا شیر نے ترائی پر دم توڑا اور دکھا دیا کہ جس فرات کو تم قبضہ میں کر چکے تھے اس پر آج سے قیامت تک ہمارا قبضہ ہے

تربتِ بے شیر پر آنسو بہانا یاد ہے

(از جناب کمال عظیم آبادی)

بیکسی کا اے حسین اب تک زمانہ یاد ہے
ناتوانی میں ترا لاشیں اٹھانا یاد ہے

یاد ہے جان بنی وہ بھی زمانہ یاد ہے
چھاؤں میں تیغوں کی رہ کر مسکرانا یاد ہے

لے کے ہاتھوں پر علی اصغر کو پانی کا سوال
آج تک مظلومیت کا یہ فسانہ یاد ہے

کربلا میں پھیر لی تھی ساری دنیا نے نظر
تجھ سے برگشتہ ہوا تھا اک زمانہ یاد ہے

کربلا میں گھر لٹا کر بہر مرضی خدا
صبح سے تا دوپہر لاشیں اٹھانا یاد ہے

دفن کرکے کانپتے ہاتھوں سے لاش شاہ دیں
تربتِ بے شیر پر آنسو بہانا یاد ہے

شانۂ صد چاک دل سے دوپہر کی دھوپ میں
شاہدِ اسلام کی زلفیں بنانا یاد ہے

اے حسین ابن علی اسلام کی خاطر فقط
بازوؤں میں زور ہوتے سر جھکانا یاد ہے

تین دن تک رہ کے بھوکے پیاسے اے سبط نبی
دشتِ غربت میں تمہارا زخم کھانا یاد ہے

دشت آفت میں کوئی ناصر نہ جب باقی رہا
تیرے ہاتھوں پر کسی کا تیر کھانا یاد ہے

قلب صد پارہ کے تابش ریز ذروں سے ترا
چہرۂ اسلام پر افشاں لگانا یاد ہے

موج دریا کروٹیں بدلا کرے گی اے کمال
تشنگی شاہ کا جب تک فسانہ یاد ہے

حسینؑ کی شہادت حیات اسلام کی ذمہ دار تھی

(از جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ)

قال رسول اللہؐ حسینؑ منی و انا من الحسینؑ

(سنن ترمذی در مشرف المؤبد نبہانی)

فرمایا سرور کائنات مفخر موجودات نے حسینؑ مجھ سے ہے میں حسینؑ سے ہوں۔

صفحات تاریخ پر ناظر منصف کے لئے حق و باطل کی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ شہید اعظم اسلام کی شہادت حیات اسلام کی ذمہ دار تھی۔ اور بزبان مخبر صادق صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ اس ذمہ داری کی سند بایں الفاظ دے چکی تھی "انا من حسین"۔ نہ کبھی رسول نے اپنی تبلیغ میں ملک گیری کا عنصر شامل کیا نہ اُن کے اس نواسے نے۔ معاویہ کے مرنے کے بعد یزید تخت نشین ہوا۔ دربار یزیدی پر کسرائیت و قیصریت برس رہی تھی۔ دُنیا نے وہاں اپنی گود خالی کر دی تھی شیطنیت کے مظاہرے تھے۔ تاریخ الخلفاء میں واقدی سے منقول ہے کہ اس نے غسیل ملائکہ کے بیٹے عبد اللہ کو کہتا سنا کہ ہم اس بات سے ڈرے کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسے تو یزید پر خروج کیا۔ وہ یزید جو ازواج پدر۔ بیٹیوں اور بہنوں سے مباشرت کرتا تھا اور خمار و تارک الصلوٰۃ تھا صفحہ ۱۴۶ اس میں بھی کلام نہیں کہ شام میں دین کی صورت معدوم ہو چکی تھی بے دینی کا علمبردار اور الحاد و زندقہ کا سرگروہ اپنی تخت نشینی کی پہلی فرصت میں فرزند رسول سے جس کی مدح میں مذکورہ بالا حدیث وارد ہوئی ہے بیعت طلب ہوا حاکم مدینہ کو خط لکھا جس کی آخری سطریں مطابق کتاب الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۴۹ یہ تھیں کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے حسینؑ عبد اللہ بن عمر۔ ابن عباس۔ ابن زبیر اور عبد اللہ بن جعفر ہوں اور سب لوگ اس بات پر حلف اٹھائیں کہ اگر بیعت پر قائم نہ رہے تو دسواں حصہ چھوڑ کے ان کا کل مال صدقہ ہو جائے گا۔ ان کے غلام آزاد ہوں گے اور انکی ازواج حبالہ نکاح سے باہر ہو جائیں گی اور بحوالہ اخبار الطوال صفحہ ۲۲۵ فلاں فلاں سے جس میں حسینؑ ابن علیؑ بھی ہیں بجبر بیعت لے اور سوائے بیعت اور کسی بات کی رخصت نہیں ہے لا رخصت قید کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انکار بیعت پہ سر کاٹ کر بھیجدے چنانچہ صاحب حبیب السیر حاکم شام کے دو خطوں کا ذکر کرتے اور اُن دونوں میں سر کاٹ کر بھیجدینے کی صراحت کا ذکر کرتے ہیں حسینؑ کی بیعت کے یہ معنی تھے کہ دین رسول کی صورت اصلیہ مسخ ہو جائے اور افعال شنیعہ یزید اسکی جگہ لے لیں گویا اس بیدین کا مقصد یہ تھا کہ دنیا پھر جاہلیت کی طرف پچھلے پاؤں پلٹ جائے زبان رسول جو بس کمالات نبوت حاصل کرنے والا دوش رسول پر سوار ہونے والا! آغوش رسول میں روز و شب گذارنے والا رضائے خالق سے ایک قدم نہ ہٹنے والا کب۔

اس بات پر راضی ہو سکتا .... تھا کہ اس کے جد کا
دین یوں دُنیا سے نیست و نابود ہو جائے۔

مدینہ سے مکہ آئے وہاں عبد اللہ ابن زبیر نے
مشورہ دیا کہ یہیں قیام کیجئے مختلف شہروں میں اپنے
ایلچی بھیجئے عراق میں اُن شیعوں کو جو آپ کو طلب کرتے
ہیں لکھیے کہ آپ کے پاس آئیں جب قوت حاصل ہو جائے
تو یزید کے عاملوں کو اُن شہروں سے خارج کر کے حاکم
بنجائیے میں بھی آپ کا مددگار رہوں گا۔ میرے مشورے پر
اگر عمل کیجئے تو یہیں اس امر کی خواہش کیجئے کہ یہ مقام
حرم خدا مجمع اہل افاق و اقطار ہے جو آپ چاہتے ہیں
آپ کو مل کے رہے گا۔ اخبار الطوال ص۲۴۴

عبد اللہ ابن عمر نے مشورہ دیا کہ یمن کی طرف
چلے جائیے وہاں آپ کے شیعہ بکثرت ہیں۔ وہاں
قلعے بھی ہیں۔ اور حفاظت کے اسباب بھی۔ و چوں
بیمن رسی اعیان خود را باطراف و اکناف ممالک
رواں گرداں این نہج زندگانی کسے دشمنان تو خائب
و خاسر گردند۔ مگر امامؑ ان تمام حکومت کی چیزوں سے
روگردانی کر کے کوفہ کی راہ لیتے ہیں (روضۃ الصفا)

ان حالات پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت
کے لئے مکہ کا قیام بھی خالی از خطرہ نہ تھا چنانچہ فرمایا
تھا کہ ان ابی حدثنی ان فیھا کبشا یستحل حرمتھا
فما احب ان اکون ذلک الکبش (صواعق محرقہ)
اور عبد اللہ ابن زبیر سے فرمایا تھا۔ وایم اللہ لو کنت
فی حجر ھامۃ من الھوام لاستخرجونی حتی یقضوا بی
حاجتھم (مائتین بحوالہ اتحاف) اس سے اس چیز کی
تصدیق ہوتی ہے کہ یزید نے چند شمشیر زنوں کو حاجیوں کے
بھیس میں بھیجا تھا کہ فرزند رسول کو عین حالت حج میں قتل
کر دیں تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کے مکہ سے کوچ کرنے کا
وہی دن تھا جو حضرت مسلمؑ کے کوفہ میں شہید ہونے کا خواہ وہ
تیسری ذی الحجہ ہو یا نویں۔ اس لئے یہ نکتہ نظر انداز کرنے کے
قابل نہیں ہے کہ حضرت نے جب تک بعلم امامت کوفہ والوں کی غداری
معلوم نہ کر لی مکہ سے حرکت نہ فرمائی۔

جو لوگ خلیفہ رسول کیلئے مثل رسول فی الجملہ علم ما یکون سے
بہرہ ور ہونا شرط قرار دیتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس فعل میں
بھی شائبہ الہام ہے اور حضرت نے یہاں بھی در پردہ اس
الزام سلطنت طلبی کو دفع فرمایا ہے لیکن بظاہر اسباب منزل
بطن الرمہ میں پہونچکر اہل کوفہ کو خط لکھا کہ مسلم ابن عقیل کے
خط سے مجتمع اور میرے آنے کا مشتاق ہونا معلوم ہوا۔ اور یہ
بھی کہ تم میری نصرت پر کمربستہ ہو اور میرے حق کے طلب
کرنے کیلئے تیار ہو۔ یہ نوشتہ بطن الرمہ سے جاتا ہے اور میں آرہا
ہوں۔ فقط والسلام۔ (اخبار الطوال ص۲۴۵) قیس ابن مسہر
ایلچی تھا قادسیہ پہونچا وہاں حصین ابن نمیر نے گرفتار کر کے
ابن زیاد کے پاس بھیجا اس نے قتل کر دیا۔ آپ بطن الرمہ سے
بڑھے عبد اللہ ابن مطیع سے ملاقات ہوئی پوچھا فرزند رسول
آپ حرم سے کیوں نکلے فرمایا اہل کوفہ نے خط لکھکر بلایا ہے
اُنکی خواہش ہے کہ میں وہاں پہونچکر معالم حق کو زندہ کروں۔

بدعتوں کو محو کروں۔ عبداللہ نے کہا کہ آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کوفہ نہ جائیے ورنہ قتل ہو جائیے گا۔ آپ نے جواب دیا لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ہم پر وہی بلا آئے گی جو علم خدا میں گزر چکی ہے۔ اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھے مقام زرود میں پہونچے وہاں زہیر بن قین کو دیکھا بلا بھیجا انھوں نے تامل کیا تو زوجہ نے کہا سبحان اللہ فرزند رسولؐ بلائے اور نہ جاؤ۔ اُٹھے حاضر خدمت ہوئے واپس ہوئے تو چہرہ چمک رہا تھا۔ زوجہ کو طلاق دی خیمہ خیام حسینی کے پاس نصب کر دیا اور اپنے اصحاب سے کہا من احب منکم الشہادۃ فلیقم ومن کرھھا فلیتقدم کوئی نہ اٹھا جب زرود سے کوچ کیا تو خبر قتل حضرت مسلمؑ پہونچی اور وہاں کے تمام حالات معلوم ہوئے۔ (۱) عبداللہ ابن مطیع کے جواب میں آپ نے یہ نہ کہا کہ مسلم کے خط سے معلوم ہو چکا ہے کہ اٹھارہ ہزار اصحاب حلقۂ اطاعت میں آ چکے ہیں بلکہ وہی جواب دیا جو واقعات سے باخبر شخص دے سکتا ہے۔ (۲) زہیر ابن قین کا یہ فیصلہ کہ جو شہادت چاہتا ہو وہ میری طرح حسینؑ کی بیعت اختیار کر لے بتاتا ہے کہ امام سے خبر مل چکی تھی کہ اس سفر کا انجام شہادت ہے ورنہ کوفہ میں اعوان و انصار کا کثیر اجتماع شہادت ہی کو کیونکر معین کر سکتا تھا (۳) مختلف منازل سے جو لوگ ہمراہ رکاب تھے وہ خبر قتل مسلمؑ و ہانی و قیس ابن مسہر جدا ہو گئے۔ اور صرف خواص رہ گئے (اخبار الطوال)

حضرت نے مکہ سے لیکر اس منزل تک کہیں بھی قولاً یا عملاً یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ نہضت دنیا طلبی اور سلطنت خواہی کے باعث ہوئی ہے بلکہ بعض منزلوں پر یہ واضح کر دیا کہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں بارادۂ ملک گیری جا رہا ہوں وہ میرا ساتھ چھوڑ دے آپ نے اصحاب و احباب و اقربا تک کو کربلا میں پہونچ کر فہمائش کی کہ مجھے تنہا چھوڑ دو واپس، قوم سے میں سمجھ لونگا جب شخص کے دل میں ہوائے سلطنت ہوتی ہے وہ اپنے حریف کیلئے سامان جنگ فراہم کرتا ہے اور مختلف عنوانوں سے اپنے مددگاروں کی تعداد بڑھاتا ہے نہ کہ موجودہ چند ہم وطن اور سفر کے ہمراہ رکاب ہوئے ہیں انھیں علیحدہ کر دیتا ہے حضرت کربلا پہونچے دو محرم سے نویں تک جو عالم رہا اس سے عالم واقف ہے۔

عقلائے دہر غور کریں کہ بالفرض امام حسینؑ کے دل میں تمنائے سلطنت ہوتی تو کبھی فوج مخالف پر شبخون مارنے کی فکر فرماتے ہیں نہ لشکر کی درستگی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ہتھیاروں پر صیقل فرمانے کی فرمائش کرتے ہیں بلکہ آپ اور آپ کا لشکر دونوں عبادت خدا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نص قرآنی معلوم ہے کہ جن و انس کی خلقت عبادت کے لئے ہوئی ہے اسلئے چاہتے ہیں کہ ہنگام شہادت تک جو لمحہ بھی گزرے وہ ہر صنف عبادت کو شامل ہو رات بھر ان کے خیموں سے تکبیر تہلیل اور تلاوت قرآن مجید کی آوازیں یوں بلند ہوتی رہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی آوازیں۔ اس خالص عبادت کا یہ اثر ہوا کہ صبح عاشور تیس بہادر امام کی حقیت کا احساس کر کے فوج حسینی میں آ ملے اور شہید ہوئے۔ رات کٹی اور صبح کا سپیدہ نمودار ہوا۔ جناب علی اکبرؑ نے اذان دی امام سجادے پر آئے نمازیوں نے

بجماعت نماز ادا کی - آفتاب نکلا چھوٹے سے لشکر کی صف بندی
ہوئی - حضرت عباسؑ علمبردار ہوئے - اُدھر سے ابن سعد نے
پہلا تیر لشکر امام کی طرف پھینکا اور تمام لشکر کو اپنی اس سبقت پر
گواہ کیا - اس کی متابعت میں کئی ہزار تیر لشکر حسینی پر برس
پڑے - اور اکثر پیاسوں نے جام شہادت نوش کیا ظہر کا
وقت - فرزند رسول نے قوم اشقیا سے نماز ادا کرنے کی اجازت
مانگی جواب ایسا ملا جس سے حبیب ابن مظاہر سے ضبط نہ ہو سکا
امامؑ سے اجازت لے کر جنگ کی اور شہید ہوئے - امامؑ نے
بحالت خوف نماز ادا کی اور دو صحابی سعیدؓ بن عبداللہ
اور زہیرؓ ابن قین نے آگے کھڑے ہو کر امامؑ کو نماز پڑھوائی اور
اشقیا کے تیر اپنے سینوں پر لیتے گئے - ادھر سلام ختم ہوا ادھر
سعیدؓ نے امام کو سلام کر کے جنت کی راہ لی - اصحاب کے بعد
اعزا کی باری آئی اور یکے بعد دیگرے درجۂ شہادت پر
فائز ہوتے گئے حضرت مسلمؑ اور جناب زینبؑ کے صاحبزادے
شہید ہوئے حضرت قاسمؑ نے داغ مفارقت دیا - جناب
عباسؑ کی باری آئی - یہ شجاعت حیدری کا وارث دار
امامؑ سے اذن جہاد مانگتا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ عباسؑ
بچوں کی آواز العطش سنی نہیں جاتی پانی کی سبیل کرو
اس کے معنی یہ کہ میدان جنگ سے پھر واپس آؤ یعنی اذن
جہاد نہیں ہے کیونکہ جسے اذن جہاد ملا وہ شہید ہوا - ورنہ
جناب عباسؑ اذن جہاد پا کر وہی نصرت کرتے جو رسولؐ کے
ساتھ علیؑ نے کی - کیا یہ امر بھی اس نکتہ کو واضح نہیں کرتا
کہ ایسی حالت میں جبکہ حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ رہ گئے ہیں
کوئی یہ شبہ کرے کہ حسینؑ مظلوم کے دل میں تمنائے
سلطنت تھی جو آخر وقت تک ظاہر ہوتی گئی - مدینہ کی
روانگی سے لے کر وقت شہادت تک کے جزئیات پر تفصیلی
نظر ڈالنے سے یہ عقدہ حل ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے
دل میں تمنائے امارت نہ تھی صرف دنیا کو اپنی مظلومانہ
شہادت سے ثابت کر دکھانا تھا کہ حق کس کی جانب ہے
اور موجودہ نظام سلطنت رسول کی تعلیم سے کتنا دور اور
کسقدر مخالف بلکہ سراسر اسکی نقیض ہے - فرزند رسول
جس نے آغوش نبوت میں پرورش پائی تھی وہ دین اسلام
کے ہر ہر حکم سے واقف تھا اور بچشم حسرت دیکھ رہا تھا کہ
شام کی حکومت اُن احکام کی پوری پوری مخالفت کر رہی
ہے - اور مجھ سے بیعت طلب ہے وہ بیعت جس کے اجزا
یہ ہیں - اس لئے محسوس کیا کہ جبتک احکام رسول کا
حامل حقیقی ایک یگانہ ہی اور انتہائی مظلومانہ حالت
سے شہید نہ ہوگا اُس وقت تک دُنیا کی ہمار رو نگاہ
حق و باطل کا فیصلہ نہ کر سکے گی اور نہ سرشار غفلت سے
بیدار ہو گی - میدان کربلا میں ۶۱ھ کے محرم کی
دسویں کو اس تین دن کے بھوکے پیاسے نے اس فرض
کو انجام دے کر دنیا کی زبان سے کہلا چھوڑا ع
واللہ کہ اے حسینؑ کا رے کردی



پیاسوں کی فتح

(از عماد العلماء جناب مولانا سید محمد رضی صاحب قبلہ مدظلہٗ
نبیرہ و جانشین سرکار نجم الملۃ اعلی اللہ مقامہٗ)

لشکر و اسلحہ کی فراوانی، کار آزمودہ جنرلوں کی ہوشیاری وہ اسباب ہیں جن کی بنیادوں پر دنیاوی حکومتوں کی فتح کے قلعے بنائے جاتے ہیں۔ تاریخ جنگ کا فاتح وہ نہیں ہے جس کی فوجیں دشمن کے سامنے پسپا ہوجائیں جس کے سپاہی میدان میں جم نہ سکیں اور تاب مقابلہ نہ لاسکیں جس کی فوج کو دشمن اسیر اور قتل کرکے تباہ و برباد کرڈالے بلکہ جو دشمن کی فوجوں کو پوری طرح مقہور کردے اور اس کی قوت جنگ کو مفلوج بنا سکے اس کی قہرمانی اور سطوت کو سرنگوں کرکے خاک میں ملادے وہی فاتح ہے اور اُسی کو فتح کا پھریرا اڑانے کا حق ہے۔

شکست و پسپائی سے کبھی حکومت میں وسعت پیدا نہیں ہوئی اور نہ اسکے ذریعہ سے ملک کبھی بڑھ سکا۔ اس قسم کی فتح حاصل کرنے کیلئے جو خالص مادی ہوتی ہے اور اسکا براہ راست توسیع مملکت سے تعلق ہوتا ہے، حکمران طبقہ مجبور ہے کہ وہ اسلحہ بڑھائے یا زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرے اور جنگ کیلئے ایسے میدانوں کا انتخاب کرے جہاں اسکی فتح اور دشمن کی شکست کے لئے بہترین مواقع پیدا ہوسکتے ہوں، کبھی کوئی تجربہ کار جنرل اپنی فوج کو اس میدان میں دشمن کے سامنے جھونکنے کی کوشش نہیں کریگا جہاں اُس کی شکست یقینی ہو یا کم از کم فتح کے مقابلہ میں شکست کے آثار زیادہ ہوں، تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے لشکر جن کو دشمن پر ہر حیثیت سے برتری حاصل تھی صرف مواقع جنگ کے ناموزوں ہونے کی وجہ سے پسپا ہوگئے اور مٹھی بھر دشمن کو فتح حاصل ہوگئی اسلئے اسلحہ اور فوج کی کثرت کے ساتھ جنگی اقدامات کے ایسے موقع کا لحاظ بھی ضروری سمجھا گیا ہے جہاں دشمن کی مدافعت اور اپنا بچاؤ لازمی طرح ممکن ہو۔

اگر کوئی کمانڈر اپنا ملک دشمن کو بغیر کسی جنگی مصلحت کے سپرد کردے اور بلا کسی خاص حکمت عملی کے اپنی بہترین فوج کٹوا دی تو کیا دُنیا اُس کی تعریف کرے گی اور کیا اُس کا نام تاریخ کے صفحات میں سُنہری حروف کے ساتھ لکھا جائے گا؟۔

دنیاوی اصول جنگ کے برخلاف حسینؑ کی غیر منظم جماعت کا کربلا کے ایک غیر موزوں صحرا میں لڑائی کے لئے اُتر پڑنا اور ایک ایسی جگہ پر خیمے ڈال دینا جہاں پسپائی کے موقع پر حفاظت کے لئے کوئی مضبوط اور ناقابل تسخیر مورچہ موجود نہ تھا جہاں رسد رسانی کا کوئی محفوظ راستہ نہ تھا جس سے حسینی سپاہ کو ضرورت کے وقت کافی امداد حاصل ہوسکتی اسپر روشنی ڈال رہا ہے کہ حسین کا نقطہ نگاہ زمین کی فتح نہ تھی بلکہ اُن کی جنگ ایک ایسی فتح کے لئے تھی جو تلوار سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

اس مختصر سی فوج نے اپنا پڑاؤ ضرور فرات کے کنارے ڈال دیا تھا لیکن اُس کا ہر سپاہی واقف تھا کہ دمشق کی فوجیں ہم سے تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں اور اُن کی پشت پر کوفہ ایک مضبوط و مستحکم مقام ہے جہاں سے اُن کو



روضہ
حضرت
عون محمد
علیہما السلام



حضرت
حذیفہ
یمانی
اور
حضرت
جابر
بن عبداللہ
کے جنازے
دس سال
قبل جنکی
لاشوں
کو دوسری
قبر و کفن
منتقل
کیا
گیا



کربلا میں روز عاشور ماتمی دستے

بروقت مدد مل سکتی ہے اور ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جاسکتی ہے اگر نہر فرات اُن کے قبضہ سے نکل بھی جائے جب بھی آب و غذا کے بہترین ذخیرے کوفہ کے سبزہ زاروں میں موجود ہیں۔

اس لئے کسی کو یہ خیال ہوگا کہ اس بے آب و گیاہ صحرا میں حسینی فوج کیلئے اگر پانی کا یہ واحد ذریعہ بھی باقی نہ رہا تو کیا نتیجہ ہوگا اور دشمن کی مدافعت اس اقلیت کے باوجود کیونکر کی جاسکے گی۔

ان تمام جغرافیائی مشکلات کے باوجود حسینؑ جانتے تھے کہ اُن کا مقابلہ دمشق و کوفہ کے ناعاقبت اندیش اور خونخوار حیوانوں سے ہے اس لئے عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا ہمراہ لیجانا اور میدان جنگ میں ساتھ رکھنا۔ بنیادی اعتبار سے کہاں تک مصالح حرب کے مطابق کہا جاسکتا ہے جس کو ایک معمولی مبصر جنگ بھی سمجھ لیتا کیونکہ ایسی صورت میں فوج کی پوری توجہ کسی طرح فوجی خدمات کی طرف باقی نہیں رہ سکتی، چہ جائیکہ حسین ابن علی جن کی زندگی کا زیادہ حصہ فوجی فضا میں بسر ہوا اور جن کے خاندان کی ہر فرد عموماً فنون جنگ کی بہترین ماہر سمجھی جاتی تھی جن کی نگاہوں میں اسلام کی بڑی بڑی لڑائیوں کے نقشے موجود تھے۔

حسینؑ نے اُس باپ کی گود میں پرورش پائی تھی جو مسلمانوں کا عدیم المثال شہسوار اور عرب کا فاتح اعظم تھا اور جو خود بھی صفین کی سی ہولناک اور شرر انگیز لڑائیوں کی آگ جھیل چکا ہو بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ جنگی مصالح

کے اعتبار سے ایسی فاش غلطیاں کرتا۔

تاریخی صفحات گواہ ہیں کہ امام حسینؑ نے فوج جمع کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی انھوں نے ایسا راستہ اختیار نہیں کیا جہاں اُن کو حکومت دمشق کے خلاف پوری طرح شہرت دینے کا موقع ملتا اور اس طرح وہ فوج میں اضافہ کرلیتے، انھوں نے کوئی ایسا میدان جنگ نہیں چنا جہاں جنگی حیثیت سے اُن کی کامیابی یقینی ہوتی۔

بہت ممکن تھا کہ کربلا کے قریب حسین ابن علیؑ اپنی فوج کو منتقل فرمادیتے جہاں اُن کے لئے کامیابی کا زیادہ امکان نکل آتا لیکن لوگوں کے مشورہ دینے کے بعد بھی آپ نے اسکو منظور نہیں فرمایا۔ چنانچہ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۱ کی روایت پر روشنی ڈال رہی ہے۔۔ وقال لہ الطرماح بن عدی واللہ ما اری معک کثیراً ولو لم یقاتلک الا ہولاء الذین اراھم ملازمیک لکان کفی بھم ولقد رایت قبل خروجی من الکوفۃ بیوم ظہر الکوفۃ فیہ من الناس ما لم تر عینای جمعا فی صعید واحد اکثر منہ قط لیسیروا الیک فانشدک اللہ ان قدرت علی ان لا تقدم الیھم شبرا فافعل فان اردت ان تنزل بلد ایمنعک اللہ بہ حتی تری رایک ویستبین لک ما انت صانع فسر حتی انزلک جبلنا اجاء فھو واللہ جبل امتنعنا بہ من ملوک غسان وحمیر والنعمان بن المنذر ومن الاحمر والابیض واللہ ما ان دخل علینا ذل قط فاسیر معک

حتی انزلاك ثم ابعث الى الرجال ممن باجا وسلمی من طی فواللہ لا یاتی علیك عشرۃ ایام حتی یاتیك طی رجالا ورکبانا ثم اقم فینا ما بدلك فان حاجك هیج فانا زعیم لك لعشرین الف طائی یضربون بین یدیك باسیافهم فواللہ لا یوصل الیك ابدا وفیهم عین تطرف فقال له جزاك اللہ وقومك خیرا انه قد کان بیننا وبین هولاء القوم قول لسنا نقدر معه الانصراف ولا ندری علی ما تنصرف بنا وبهم الامور

طرماح بن عدی نے امام حسینؑ سے عرض کی کہ آپ کے ساتھ فوج تو کچھ بھی نہیں ہے مخالف لشکر جو یہاں موجود ہے وہی اسکے لئے کافی ہے چہ جائیکہ میں نے کوفہ سے نکلتے وقت کوفہ اور اطراف کوفہ میں اسقدر فوج دیکھی ہے کہ آج تک میری دونوں آنکھوں نے اسقدر مجمع کسی جگہ بھی نہیں دیکھا۔

میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو آپ ایک قدم بھی ان کی طرف نہ بڑھائیں اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ کسی ایسے شہر میں قیام فرمائیں جہاں دشمنوں کی شر سے محفوظ رہ سکیں یہاں تک کہ آپ پر وہ امر ظاہر ہو جائے جس کا آپ ارادہ کر رہے ہیں۔ تو آپ ہمارے ساتھ کوہ آجا پر تشریف لے چلیئے، وہ ایسا پہاڑ ہے جسکی وجہ سے سلاطین غسان، حمیر، نعمان بن منذر نے بھی ہم پر کبھی فتح نہ پائی اور سرخ و سفید سے ہم محفوظ رہے، خدا کی قسم جب سے ہم نے یہاں پناہ لی ہے کبھی کسی قسم کی ذلت ہم نے نہیں اٹھائی میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں اور کوہ آجا و سلمی کے تمام قبائل کی طرف لوگوں کو روانہ کرتا ہوں، خدا کی قسم دس روز بھی نہ گزرینگے کہ قبیلہ طے کے پیادوں اور سواروں سے پہاڑ چھلکنے لگے گا اگر آپ پر کسی نے حملہ کیا تو بیس ہزار فوج کا تو میں تن تنہا ذمہ دار ہوں جو کل ہمارے قبیلہ طے سے ہو گی یہ لوگ اپنی شعلہ بار شمشیروں سے آپکے سامنے جہاد کرینگے اور جبتک اُن میں سے ایک شخص بھی زندہ رہے گا آپ پر کوئی صدمہ نہیں پہونچ سکتا۔

امام حسینؑ نے طرماح بن عدی اور اُن کی قوم کو دعائے خیر دی اور فرمایا کہ ہم میں اور ابن سعد کے لشکر میں ایک معاہدہ قرار پا چکا ہے جس کے بعد ہم واپسی پر قادر نہیں رہے اور ہم کو اس کا بھی علم نہیں کہ اس کے بعد زمانہ کیسی کروٹ بدلے اور ان امور کا نتیجہ کیا پیدا ہو۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ امام حسینؑ کو اصحاب برابر مشورہ دیتے رہے کہ یہ ریگستان کسی طرح اسکے لئے موزوں نہیں ہے کہ آپ یہاں قیام فرمائیں۔ لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود حسینؑ ابن علیؑ عورتوں اور کمسن بچوں اور مختصر سی فوج کے ساتھ اُسی ریگستان میں ٹھہر گئے جس کا ہر ذرہ پہلے ہی سے فریادی تھا جس کا دل آئندہ اُٹھنے والے رستخیز محشر سے کانپ رہا تھا، یہ وہی زمین تھی جس کو قدرت نے انسان کامل کی قربانگاہ بنانے کے لئے منتخب فرما لیا تھا، جہاں اسلام کو حیات ابدی ملنے والی تھی۔

فرات کی موجیں ابھی سے اُن پیاسوں کی فریادوں کا

نقشہ کھینچ رہی تھیں جنھوں نے سوکھی ہوئی زبانوں کے حدود کو جب چھوڑا تو عرش کے کنگرے ٹکرا دیے اور انسانیت کے دل میں زلزلے ڈال دیے۔

انسانیت کے اس سپہ سالار اعظم کا مقصد جنگ اگر توسیع ملک ہوتا اور صرف مادی فتوحات حاصل کرنے کے لیے حسینؑ نے قبر رسول کو چھوڑا ہوتا تو کوفہ سے پہلے دمشق پر حملہ کرتے۔ مکہ کے لاکھوں حاجیوں کے سامنے اپنی مظلومیت کو پیش کرتے اور اُن سے امداد طلب فرماتے۔

لیکن کربلا والوں کو دُنیا لینا منظور نہ تھی اُن کی نیت یہ نہ تھی کہ وہ مادی فتح حاصل کرلیں بلکہ وہ ایک ایسی فتح حاصل کرنا چاہتے تھے جو تلواروں اور خنجروں سے نہیں مل سکتی جس کو پہاڑی قلعوں کی سنگلاخ دیوار اور میدان جنگ کے زبردست استحکامات سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ وہ ایک ایسی کامل فتح حاصل کرنے تھے جس کی تشکیل مظلوموں کے مقدس خون سے ہونے والی تھی جس کے اسلحے بیگناہ عورتوں کی چادریں اور معصوم پیاسوں کی فریادیں تھیں جس فتح کے حاصل کرنے کے لئے چھ ماہ کے بیٹے بھی جھولے کے اندر بے چین تھے۔ یہ فتح پانی کے قطرے سے نہیں ملتی بلکہ یہ اُس مقدس خون کی بوندوں سے ملتی تھی جو ہاشمی دلوں سے نکلنے کے لئے بے چین تھا۔

نہر فرات کا تلاطم تھم گیا، نینوا کے سنسان میں خاموشی چھا گئی بیگناہ پیاسے بچوں کی فریادوں سے سکون پیدا ہو گیا عصمت و جانبازی کا قافلہ لٹ گیا، قربانگاہ کربلا پر ندرانہ قربانیاں چڑھادی گئیں ہاشمی تمناؤں کے چراغ بجھ گئے رسالت و عصمت کی جھولی کے انمول گوہر اور سپہر عصمت کے درخشاں ستارے چمن کی کلیاں بکھرائے ہوئے کوفہ و شام کی بازاروں میں پھرائے جانے لگے ادھر یہ ستارے کوفہ کے افق پر طالع ہوئے اور انکی عصمت میں قیم دمشق کے سبزہ زاروں میں چھپی اور ساتھ ہی کربلا کے پیاسوں کی فتح کے شادیانے بجنے لگے۔

سب سے پہلا معرکہ عبداللہ بن عفیف ازدی اور ابن زیاد کے لشکر سے کوفہ ہی میں ہوا اُس کے بعد جس جس منزل پر سے شہدا پہونچے اور اسیروں کا داخلہ ہوا وہاں کے لوگوں میں یزیدیت کے خلاف ایک عام اور نہ مٹنے والا ہیجان ہونے لگا اور دمشق کی قہامیت کے مقابلہ میں ایک انسانیت سیلاب ذاتیاری ہونے لگی جو ابدالآباد کے لئے مٹانے پر تل گیا۔ حسینؑ کی مظلومیت پر ہر منزل پر اہرار کے درباروں میں اپنی لازوال فتح کے سکے بٹھانے لگی اور انسانیت کے شیدائی سر بشار ہونے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ابھی حسینؑ کے قیدی دربار شاہی میں بھی نہ پہونچنے پائے تھے کہ خون خواہی کے علم بلند ہو گئے اور یزیدیت کے خلاف ایک ذہنی انقلاب پیدا ہونے لگا اور بنی اُمیہ کی بربریت و حیوانیت ظاہر ہونے لگی اور ان جانوروں کی نیتوں کا پردہ فاش ہو گیا۔

علی بن الحسینؑ اور مخدرات عصمت کے بے پناہ خطبوں نے اموی تمناؤں کے پرخچے اُڑا دیے اور ظلم کی بنیادوں میں ایسے زلزلے ڈال دیے جو قیامت تک نہیں رک سکیں۔ اور حق و باطل میں ایک نہ مٹنے والی خلیج بنادی جسکو دُنیا کی کوئی قہار طاقت

بہن اور بھائی

از جناب بیباک ماہلی

صالحہ کی باقاعدہ تعلیم تو کسی درسگاہ میں نہ ہوئی تھی۔ لیکن یہ ذہن کی تیز فہیم و ذکی تھی۔ خاندانی شرافت و اعلیٰ نسبی کے جوہر نمایاں تھے ماں باپ، بھائی بہن اور عزیز و اقارب کے علمی ماحول میں رہ کر یہ عمر کے ساتھ ساتھ زیورِ علم سے بھی آراستہ ہوتی جاتی تھی۔ ادر سنِ تمیز تک پہونچتے پہونچتے اسکی معلومات میں کافی اضافہ ہو گیا دماغ جوہر علم سے پر ہو گیا وہ اب بڑی بڑی ضخیم علمی کتابیں بھی پڑھتی اور اس پر اکثر نوٹ لکھا کرتی تھی۔ اس کا کمرہ کبھی شیعی بزم مذہبی اخبارات سے خالی نہیں ہوتا وہ ملک کے مشہور اہل دماغ و اہل قلم کے مضامین سے فائدہ اٹھاتی ہے اُن کی سیاسی و ادبی و مذہبی نوک جھونک دیکھتی ہے تنقید و تبصرہ پر نگاہ ڈالتی ہے۔ بے سوچے سمجھے کا نام نہیں لیتی۔ اگر کبھی کسی مسئلہ میں اُسے اختلاف ہوتا ہے اور اس کی سابقہ معلومات رہنمائی یا تسکین نہیں کرتیں تو نہایت ادب و شائستگی کے ساتھ موقع پاکر باپ یا بھائی سے اس مسئلہ کو حل کر لیتی ہے۔

لیکن اس کی ان تمام علمی دلچسپیوں کا مرکز مذہب ہے۔ وہ نجات و انجام بخیر ہونے کے خیال میں ہمہ وقت ڈوبی رہتی ہے اس کا خیال ہے کہ انسان کو غلط خیالی اور غلط کاری سے روکنے والا اور فطرت کے صحیح راستہ پر چلانے والا اگر ہے تو مذہب ہے۔ مذہب ہی زندگی کے ان زریں اصول کا نام ہے جس پر چل کر انسان خدا کی خوشنودی حاصل کرتا اور تمدن و معاشرت کے نتیجہ خیز اصول پر چلتا ہے اور دین اسلام کے سوا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اکثر عیسائیوں میں لامذہبیت اور دہریت پیدا ہو گئی ہیں پھر بھی اسلام کربلا کے میدان میں اس فطرت پر باقی ہے جس کی دنیا میں انسان کو ضرورت ہے کیونکہ حسین جیسے مسلمان نے نہ کسی کا مال چھینا۔ نہ حلال الہٰی کو حرام کیا۔ نہ حرام الہٰی کو حلال کیا۔ نہ کسی کا حق مارا نہ کسی کو قتل کیا۔ نہ سفاکوں و ظالموں کا ساتھ دیا نہ سلاطین و امراء کی خودرائی و خودستائی و شخصی برتری کی تائید کی۔ نہ خود تفوق و اقتدار کی ہوس کی بلکہ جہان بھر کی تکلیفیں اٹھا کر گردن کٹائی اور تمام عالم کو سبق پڑھا دیا کہ مال و زر و ملک گیری اور مال دنیا کے لیے جان دینا حرام موت ہے اس کا مقولہ تھا کہ اگر حسین علیہ السلام کے جان دینے سے روح اسلام زندہ نہ ہوتی، عبد و معبود کا تعلق صاف نہ ہو جاتا، نجات کا راستہ کھل نہ جاتا، دین و دنیا کا معمہ حل نہ ہو جاتا تو میں لوگوں کو بدھ مذہب کے اصولوں کی دعوت دیتی۔

—— ✲ ——

عاشورے کی رات تھی نو بج چکے تھے صالحہ اپنے کمرہ میں لیٹی ہوئی آنے والے یوم کے چاند کے سلسلہ میں کچھ سوچ رہی تھی کہ یکایک کربلا والوں کی ہمت کی طرف اس کا خیال جا پڑا اور وہ ان کے عزم و ارادے و استقلال پر فخر و مباہات کرتے ہوئے اس طرح جا پڑی کہ آہ! حسین علیہ السلام کی اس بیش بہا قربانی میں جس کی کہ نظیر دنیا کے پردے میں نظر نہیں آتی صنفِ اناث کا درجہ کم تو نہیں ہے وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مردوں سے پیچھے تو نہیں ہیں کہ یکایک پاس والے کمرہ سے بھائی کے کھانسنے کی آواز آئی جسے سن کر صالحہ نے کہا

"کیا ابھی جاگ رہے ہو؟"

بھائی۔ "ہاں کچھ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں"۔

بہن۔ "کیا لکھو گے"

بھائی۔ "مضمون"

بہن۔ "عنوان کیا رکھا ہے؟"

بھائی۔ ابھی تو کچھ نہیں لیکن سوچ رہا ہوں کہ زمانہ کی انقلابی حالت نہایت تیزی کے ساتھ ہر رنگ میں ہر چیز کو

رچتی جاتی ہے اور کوئی چیز اس کی زد سے بچتی نظر نہیں آتی۔

بہن۔ "پھر"

بھائی۔ خیال ہے کہ ایسی صورت میں ہماری قوم کو کیا کرنا چاہیئے جو ہر مسئلہ و معاملہ میں لکیر کی فقیر بنی ہوئی ہے اور ہر رسم و رواج کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ چھوڑنا ہی نہیں چاہتی جس سے اس کی حالتیں اور بھی کمزور و خراب ہوتی جاتی ہیں اور وہ اقتصادی سیاسی، تمدنی تمام حالتوں میں کس طرح ہمعصر قوموں کے دوش بدوش چلنے کے قابل نہیں رہی ہے۔

بہن۔ (ہنسکر) میں آپ سے عنوان پوچھتی ہوں اور آپ پہیلی سمجھاتے ہیں"

بھائی۔ "پہیلی سمجھاتا ہوں نہ معمہ حل کرتا ہوں قوم کا رونا روتا ہوں"

بہن "کس بات کا آخر معلوم بھی تو ہو کہ آپ اپنے مضمون میں کس طرف جانا چاہتے ہیں؟"

بھائی۔ "جانا کس طرف چاہتا ہوں سردست تو اسی رسم و رواج عزاداری اور اس کے اخراجات کثیر کی بابت سوچ رہا ہوں کہ اگر قوم اس کو تنقید کی کسوٹی پر کس لیتی تو اچھی خاصی رقم چند دنوں میں حسینی فنڈ میں جمع ہو جاتی اور کوئی ٹھوس کام قومی مفاد کا انجام پا جاتا۔

بہن "کیوں آپ سب سے پہلے رسم و رواج عزاداری ہی کو اپنے نشانہ کے زور پر رکھتے ہیں"

بھائی "اس لیے کہ یہ رسم و رواج قوانین فطرت کے متعین کردہ نہیں ہیں اور نہ ہی قرآنی آیات ہی ہیں کہ ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہ تو انسانی دماغ کی تخلیق نہیں زمانہ کی رفتار کے مطابق بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہنچ گیے ہیں"

صالحہ چونک کر چارپائی سے اوٹھ بیٹھی اور سامنے والے دروازہ کو کھول کر کہنے لگی۔

بھائی جان! "یہ تو کوئی مضبوط دلیل آپ کے نظام عزاداری میں دخل اندازی کی نہیں ہے۔ معلوم آپ کا پھیکا ہو جائے گا کیونکہ میں تو دیکھتی ہوں کہ مادی دنیا کی ضرورتوں نے اپنے زعم ناقص میں فطرت کے معین کردہ اصولوں سے بھی جنگ کی۔ قرآنی آیتوں کے معنی بھی بدلے، لفظوں میں بھی تبدیلیاں کیں انھیں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھا اور آج بھی اس ضرورت کے ماتحت عزاداری کے علل و اسباب ہی کے بدل دینے پر کمربستہ دکھائی دیتی ہیں۔ کیا آپ نے ایسے مادہ پرستوں کی ریشہ دوانیاں جو ہمیشہ محرم الحرام کے آنے سے قبل شائع ہوتی ہیں ملاحظہ نہیں فرمایا"

بھائی۔ "دیکھا ہے اور جہاں تک اُن کا تعلق عزاداری حسین مظلوم کے علل و اسباب سے ہے میں بالکل اس کا مخالف ہوں"

بہن۔ "تو کیا اس مخالفت کا یہی اثر ہے"؟

بھائی۔ " نہیں نہیں میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ محرم کے ان کثیر اخراجات کو کم کر کے تبرک کی تقسیم، نذر نیاز حاضری اور چڑھاوے کی رقموں میں سے کچھ رقم قومی مفاد کے لیے حسینی فنڈ میں داخل کر دی جائے کیونکہ اس سے حقیقی مستحقین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے نوحہ و ماتم و جلوس و مظاہرات اس کے طریقوں کو بدل دیا جائے تاکہ صحیح معنوں میں حسینی تعلیم کی نشر و اشاعت ہو جس کے لیے کہ آقا نے ان جانکاہ مصائب و آلام کا مقابلہ کیا

بہن۔ میں مانتی ہوں کہ یہ موجودہ سسٹم عزاداری انسانی دماغ کی تخلیق ہے اور شہادت حسین مظلوم کے بعد رفتہ رفتہ زمانہ کے ساتھ چل کر یہاں تک پہونچا ہے اس میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے لیکن اس کے اجرا کا اصلی سبب کیا ہے؟

بھائی۔ حسین علیہ السلام کی محبت اور ہماری اقتصادی ستم ہای

بہن۔ اچھا بتایے کہ ہمیں حسینؑ سے اتنی محبت کیوں ہے اور ان کی طرف سے ہمارا اعتقاد اس قدر مضبوط کیوں ہے؟

بھائی۔ چونکہ ہم مسلمان ہیں خدا و رسول کے احکام کی پابندی ہمارا فریضہ ہے اور قل لا اسئلکم . . . " کی سی مضبوط آیت قرآن میں موجود ہے رسول نے بھی اسی کی تشریح انی تارک فیکم الثقلین

...!" سے کر کے حسینی محبت کی دعوت دی ہے اس لیے ہم کو حسینؑ سے محبت ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ یہی محبت ہماری نجات کی ذمہ دار ہے۔"

بہن۔ ٹھیک! اور دوسروں کو حسینؑ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟"

بھائی۔" اس لیے کہ حسین انتہائی ظلم و جور کے ساتھ بے قصور و بے گناہ شہید کیے گیے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی"

بہن۔" بھائی جان! تو معلوم ہوا کہ حسین کی محبت کے دو پہلو ہیں یعنی ایک تو وہ ہے جو فطرت کے تعین کردہ قانون کے مطابق ہے جس کی شاہد قرآنی آیۃ و رسول کی حدیث ہے دوسرا پہلو حسین علیہ السلام کی مظلومیت و بے بسی و بیکسی ہے جس سے عوام متاثر ہوتے ہیں"

بھائی۔ بیشک!

بہن۔" لیکن ان دونوں پہلوؤں کی ذمہ داری ہمارے ہی سر ہے"۔

بھائی۔" ضرور۔ اسے کون نہیں مانتا۔ یہ تو مجھے خود تسلیم ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ حسرات الارض کی سی انجمنیں، یہ بے تکے جلوس یہ بے ڈھنگی سینہ زنی جڑھاوے، نذر، نیاز مجلس اور تبرک کی تقسیم سے جو جم غفیر جمع ہو جاتا ہے اور گریہ و بکا، نوحہ و ماتم سے جو ایک اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے اس کا حکم کہاں ہے اور یہ کس فطرتی قانون کے تحت میں ہے۔

بہن۔ بھائی جان! ابھی آپ فرما چکے ہیں کہ حسین کی مظلومیت و بے بسی و بیکسی کا اظہار ضروری ہے تاکہ عوام متاثر ہوں بس آپ ہی غور فرمائیے کہ اگر یہ سب رسم و رواج جنھیں کہ آپ نے اپنے الفاظ میں دہرایا ہے اٹھا دیے جائیں تو عوام جمع کیسے ہوں گے میرا تو خیال ہے کہ جس وقت یہ سب بند کر دیے جائیں گے یا اس میں نامناسب ترمیم و تنسیخ کر دی جائے گی مفہوم عزاداری بدل جائے گا میں نہیں سمجھتی کہ یہ اس وقت آپ کیا فرما رہے ہیں جسے سنکر مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ واقعی مولا! آپ کی

معرفت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔ بلند قسمت تھے وہ مرد جو جنہی خوشی آپ پر فدا ہو گئے اور جام شہادت نوش فرما کر آج آپ کے جد محترم کے دین کو زندہ کیے ہوئے ہیں اور خوش نصیب تھیں وہ عورتیں جنھوں نے آپ کی بے کسی و مجبوری پر اپنی بڑی چھوٹی اولادوں کو نثار کر کے آپ کی صداقت و حقانیت کو واضح کر دیا۔ ورنہ مولا! دنیا تو اس وقت بھی آپ کی دشمن تھی اور آج بھی دشمن ہے صرف فرق یہ ہے کہ اس وقت آپ کی ذات کو مٹانا چاہتی تھی آج آپ کی حقانیت کو۔ آہ! آہ!! غیر تو غیر آج اپنے بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ آپ کے نام پر تبرک تقسیم ہو غریبوں محتاجوں کو روٹیاں کھلائی جائیں۔ آپ کے و آپ کے معصوم بچوں کی بھوک و پیاس کا تذکرہ گلی گلی کیا جائے اور ان معصوموں کی پیاس و حرمت و عظمت کی بقا کے لیے۔ پیاسوں کو شربت پلایا جائے آپ کے غم و الم کو یاد کر کے سینہ زنی کی جائے کیونکہ قوم کی اقتصادی حالت خراب ہے۔ آہ! ایک وہ دن تھا کہ آپ کے نام پر مال و اولاد کا نثار کرنا اور اپنا خون بہانا ترقی قوم و بقائے مذہب کا باعث تھا اور آج صرف چند کوڑیوں کا آپ کے نام پر خرچ کرنا تنزل قوم و ذلت کا موجب ہے۔

(صالحہ کی آنکھوں میں آنسو آجاتا ہے اور قطرات اشک بھائی کے سامنے ٹپک پڑتے ہیں)

بھائی۔" بہن، میری پیاری بہن!! میں تمہارے ان جذبات کی تعریف کرتا ہوں اور اعتقاد میں اور استواری پیدا ہونے کی دعا کرتا ہوں لیکن پھر بھی تم سے یہ کہتا ہوں کہ ہمارے اس طرف بالکل متخاطب ہو جانے سے شہادت حسین علیہ السلام کا اصلی مفہوم و مقصد کمزور ہو جاتا ہے یعنی بنی نوع انسان کی اصلاح۔

بہن۔ نہیں بالکل نہیں یہ صرف مردوں کا خیال خام ہے"۔

بھائی۔" کیوں؟"

بہن۔ اس لیے کہ وہ عزاداری حسین مظلوم کو فقط اپنی قلبی حالت و دماغی ساخت کے اعتبار سے دیکھتے ہیں در مردانگی و جوانمردی و استقلال جو اُن کا جوہر تھا اس کو سامنے رکھ کر حسینی مشن کی تبلیغ کے کلی ٹھیکیدار بنتے ہیں حالانکہ عزاداری کے لیے ایسا نہیں ہے۔

بھائی۔ کیوں؟

بہن۔ اگر ایسا ہوتا تو جناب امام حسین علیہ السلام صرف مردوں کو ساتھ لے جاتے عورتوں کو لیکر مدینہ سے سفر نہ کرتے۔

بھائی۔ عورتوں کو ساتھ لے جانے سے تم کیا نتیجہ نکالتی ہو؟

بہن۔ یہی کہ جس طرح حسینی مشن کی تکمیل کا بار مردوں کے سر تھا اسی طرح عورتوں کے ذمہ بھی تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

بھائی۔ زیادہ کیسے؟

بہن۔ یوں کہ حسینی مشن کی تکمیل کے دو رخ تھے ایک صبر رضا تحمل و برداشت استقلال و ثبات خلوص و ہمدردی و ایثار کے ساتھ مصائب و آلام کو برداشت کر کے خدا و رسول کی خوشنودی کے لیے شہید ہو جانا دوسرے ان مصائب و آلام کا حزن و ملال نوحہ و ماتم آہ و زاری اور گریہ و بکا سے خوش سلیقگی و اثر انگیزی کے ساتھ اعلان کرنا جو حسین علیہ السلام پر ابتدائے سفر سے آخری دن تک اُمت جفاکار کے ہاتھ سے گزرے تاکہ حسین علیہ السلام کی بزرگی و عظمت کو دنیا سمجھ جائے اور اسے حسین کی حقیقی معرفت حاصل ہو جائے۔

بھائی۔ بیشک یہی دو رخ ہیں!

بہن۔ بس اب آپ خود غور کر کے سمجھ لیجے کہ ان دونوں رخوں میں عورتیں بمقابلہ مردوں کے زیادہ کی حصہ دار ہیں یا نہیں؟

بھائی۔ بہتر ہے کہ اسے بھی تم ہی بیان کر جاؤ۔

بہن۔ دیکھئے شہادت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں مردوں کی شریک عورتیں ہیں غیرت دلانا جبرات و ہمت بڑھانا حسین محبت والفت کے جذبات ابھارنا اور اپنی بیوگی و بے اولادی کی مصیبتوں کو سامنے رکھ کر زندگی کی تمام امیدوں پر پانی پھیرنا آنے والی خوشیوں پر خاک ڈالنا انہیں کا کام تھا جس پر آج تک زہیر ابن قین و حبیب ابن مظاہر اور وہب ابن عبداللہ کلبی کے واقعات گواہ ہیں اور میدان نینوا میں شب عاشورہ جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کی نہ تو مثال ہے نہ نظیر۔

دوسرے بعد شہادت امام مظلوم مردوں میں سوائے امام زین العابدین کے کون تھا جو نوحہ و ماتم گریہ و زاری آہ و بکا سے عزادار و ماتم دار بنتا اور حق و ناحق کی تمیز کے لیے دین اسلام کی حفاظت کیلئے گلی گلی پھرتا بازاروں و درباروں میں اپنی سینہ زنی و برہنہ سری سے اعلان کرتا کہ اے ظالمو کلمہ گویو! تم نے یہ کیا غضب کر ڈالا کہ اپنے رسول کے نواسہ شفیع روز جزا جناب فاطمہ زہرا کے بیٹے میرے ماں جائے حسین کو مع ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں تک میں دن کا کھڑکا پیاسا بے تقصیر اس طرح ذبح کر ڈالا جیسے قصاب جانوروں کو بھی ذبح نہیں کرتے۔ کیا تم اُن سے امید کرتے تھے کہ وہ رسول کی گود اور فاطمہ کی آغوش میں پرورش پا کر علم الٰہی کو سینہ میں رکھ کر یزید پلید بدنہاد کی ان ناجائز و ناروا باتوں کو قبول کر لیتے جو حلال الٰہی کو حرام اور حرام الٰہی کو حلال کر رہی تھیں اور اخلاق انسانی کو پھونک رہی تھیں ظلم و خونریزی و بدچلنی و بدکرداری و فسق و فجور کو نہایت تیزی کے ساتھ پھیلا رہی تھیں کیا تمہیں یاد نہیں کہ یہ حسین علیہ السلام وہی حسین تھا جس کے برگزیدہ رسول نے چالیس روز تک کبھی زبان کبھی انگشت مبارک سے پرورش کیا تھا اور اس طرح اپنے خون کو حسین کے خون سے ملا کر "حسین منی و انا من الحسین" کہہ دیا تھا تم بھول گئے کہ حسین وہ ہے کہ رب العزت نے جنت سے ۔ ۔ ۔ ۔ حلہ بھیجے کی تھی اور جبرئیل کو ان کے جھولے کی حفاظت کو بھیجا تھا اور شہزادی کونین دختر رسول الثقلین

جناب خاتون زینب نے اسے چیخ چیخ کر بتلا تھا کیا تم کہہ سکتے ہو کہ میں اُن کی بہن زینب نہیں ہوں یہ ان کی پیاری بچی سکینہ نہیں ہے یہ ان کے حرم محترم ہیں جنھیں تم نے اسیر کر رکھا ہے۔ جن کی چادریں چھین لی ہیں اور جسے اس ذلت و خواری کیساتھ دربدر پھراتے ہو کہ نہ محمل ہے نہ کجاوہ۔ نہ برقعہ ہے نہ چادر۔ یاد رکھو روح رسول تمہاری اس حالت کو دیکھ رہی ہے اور خدا نے اپنے انتقام کو ڈھیل دے رکھی ہے (کہہ کر رو دیتی ہے اور پھر سسکنے لگتی ہے) اس لیے بھائی! میں نہیں سمجھتی کہ مردوں کو کہاں سے، کون سا حق عزاداری حسینؑ میں ترمیم و تنسیخ کا مل گیا ہے کہ اس کی تمام تر ذمہ دار تو عورتیں ہیں۔ رونا دھونا آہ و نالہ کرنا، سر کھولنا، سینہ زنی کرنا جیسا کہ ان مخدرات عظمت و طہارت نے بعد شہادت کیا اور قبل شہادت اس خبر کو پاکر رسول و علیؑ و فاطمہ نے کیا عورتوں کا حصہ ہے اور رونے رلانے والے مردانم کو خوب جانتی ہیں۔ مرد تو خواہ مخواہ اپنی لیڈری کی خواہش و عزت و شہرت کی ہوس میں عزاداری حسین مظلوم کے رسم و رواج میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ افسوس!

بھائی۔ (ذرا نیچی آواز سے) "لیڈری و نام کی خواہش میں"

بہن ہاں! ہاں!! بلکہ یہ کہو کہ سستی ہر دلعزیزی کی طمع میں الکشنوں میں کامیاب ہونے کی دھن میں مسلم لیگ و جمعیت العلما کی نگاہوں میں عزیز بننے کے خیال سے ہماری دو مہینہ آٹھ دن کی بین مظلوم کی یاد کو حسینی فنڈ کا سبز باغ دکھا کر تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں، ورنہ جب جناب قبلہ و کعبہ [illegible] العلما مولانا کلب حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے قوم کی اقتصادی حالت سدھارنے کے لیے ادارہ اقتصادیات قائم کر دیا ہے اور دل و جان سے شب و روز کام کر رہے ہیں تو کیوں نہیں اس میں دل کھول کر حصہ لیا جاتا اور وہی مصرف [illegible] کر دیے کام اس ادارہ سے کیا جاتا جسے وہ حسینی فنڈ سے کرنا چاہتے ہیں افسوس کہ

انھیں (مردوں کو) حسین کی حقیقی محبت کا احساس نہیں ہے ورنہ وہ عزاداری پر حملہ نہ کرتے۔

بھائی۔ (چونک کر) احساس کیوں نہیں ہے؟

بہن۔ ہاں احساس نہیں ہے وہ کیا جانیں کہ حسینؑ کی محبت کس پایہ کی ہے۔

بھائی۔ "پھر کون جانتا ہے؟"

بہن۔" اسے تو ہم یا ہماری وہ بہنیں جانتی ہیں جو اپنے چھ مہینہ کے بچہ کو نہایت خوشی و محبت کے ساتھ لیے ہوئے دودھ پلاتی رہتی ہیں اور ذاکر بیان کرنے لگتا ہے کہ "جناب امام حسین علیہ السلام نے جناب رباب کی گود سے اس پیاسے بچہ کو جسے تین دن سے دودھ نہیں ملا تھا جس کے لب خشک تھے سفید دیدے دکھائی دینے لگے تھے، لیکر خوشنودی الہی و بقائے دین کیلئے حرملہ جیسے قصاب کے تیر کے سامنے رکھدیا اور بچہ کے تیر کھاتے ہی ماں تھرتھرا کر رہ گئی۔ بھیا! واللہ اس وقت دل میں ایسا درد اٹھتا ہے کہ ہم اپنے بچہ کو نہایت مضبوط ہاتھوں سے کلیجہ سے لپٹا لیتے ہیں اور اس کے منھ کو دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں کہ اے مولا! آقا! آپ کی محبت کی منزل کتنی اونچی تھی کہ اس کے لیے جناب رباب نے ایسی کڑی منزل صبر کی طے کر ڈالی۔

بھیا! مردوں کو اس محبت کی کیا خبر جو بہن کو بھائی سے ہوتی ہے وہ تو بھائی کو جو محبت بہن سے ہوتی ہے اسے جانتے ہیں اسے تو آپ ہمارے دل سے پوچھئے تو ہم بتائیں کہ جناب زینب علیہا مقام نے اپنے ماں جائے کو یہ جانتے ہوئے کہ اب بھائی کی صورت نہ دیکھیں گی کس دل سے گھوڑے پر سوار کرکے قصاب کی چھریوں کے نیچے بھیجدیا واللہ اگر باپ کی شجاعت و ماں کے صبر نے جناب علیہا مقام کے دل پر ہاتھ نہ رکھدیا ہوتا تو حسین علیہ السلام سوار نہ ہونے پاتے کہ حرکت قلب بند ہو جاتی۔

آہ! آہ!! مردوں کو کیا معلوم کہ وہ کونسی تڑپ تھی جلن تھی

الجھن تھی وہ کتنی تھی اور کس قسم کی محبت علی اکبر کی آگ جناب ام لیلیٰ کے دل وجگر کو پھونک رہی تھی کہ وہ تمام رات شمع جلا کر بیٹے کا شباب دیکھتی رہیں اور پھر اس میں حسینؑ کی محبت نے کیا رنگ بھر دیا کہ شاہزادہ کو میدان جنگ میں جانے ہی کی نہیں بلکہ اس عنفوان شباب میں عروس اجل سے ہمکنار ہونے کی اجازت دیدی اور صاف صاف کہہ دیا کہ بیٹا اگر آنا تو خون کی دھاروں کا سہرا اور زخموں کی برچھی زیب تن کرکے آنا اور بھائی پر ایک ایسا گہرا گھاؤ دکھا کر آنا جو دنیا کے ماں باپ کو تا زندگی یاد رہے۔ اللہ اکبر

مرد کیا جانیں کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا ہے تو اُسے اپنی اولاد سے کتنی محبت ہو جاتی ہے اور اس کے ارمانوں کی دنیا کہاں تک سمٹ کر اس کی اس اولاد تک محدود ہو جاتی ہے۔ اس مزہ کو تو ہماری بیوہ بہنیں ہی خوب محسوس کرتی ہیں مگر معلوم حسین علیہ السلام کی محبت میں جناب اُم فروہ کا دل کہاں تک ڈوبا ہوا تھا کہ انھوں نے حسنؑ کی نشانی اور اپنی تمام امیدوں کی دنیا کو ہاتھوں میں مہندی رچائے دولہا بنے میدان جانے دیا اور یہ کہہ کر جانے دیا کہ بیٹا دیکھنا حسینؑ کی مادر گرامی سے مجھے روز حشر خجل نہ کرنا تم سمجھ لینا کہ میں نے اُسی دن کے لیے تمھیں پالا تھا بیٹا! میں تمہارے اس پھول سے بدن کو جو میری تمام زندگی کی ریاضت کا نتیجہ ہے گھوڑے کے سموں سے پامال ہوتے دیکھ سکتی ہوں مگر حسینؑ کی محبت کے احساس کو مٹا نہیں سکتی اللہ اکبر کیسی محبت تھی اور کیسا احساس تھا خداوندا اسکی تھوڑی سی جھلک مردوں میں پیدا کردے۔

بھائی جان میں نہیں سمجھتی کہ مردوں کے پاس حسینی محبت کے احساس کا کوئی ذریعہ ہے جس سے وہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کے ان الفاظ کا وزن معلوم کر سکتے ہیں کہ بیٹا! "دیکھو دیکھو اگر تم نے اس تین دن کی پیاس کے باوجود تمازت آفتاب سے یا آلہ حرب کی حدت سے یا زخموں کی کثرت سے گھبرا کر دریا کی طرف دیکھا تو میں دودھ نہ بخشوں گی کیونکہ بھائی میرا پیاسا ہے" یا جناب رباب کے اس جملہ کی قیمت معلوم کر سکتے ہیں کہ ماں نے اپنے شش ماہہ بچہ کو امام کی گود میں دیتے وقت کہا تھا کہ اے میرے ننھے مجاہد! اگر تجھے تین دن سے دودھ نہیں ملا ہے، تم تڑپ رہے ہو آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں لب خشک ہیں، تمہارا پھول سا چہرہ کمہلایا ہوا ہے لیکن بیٹا باپ کے ہاتھوں پر حرملہ کا تیر کھا کر رو نہ دینا بلکہ مسکرا دینا تاکہ دنیا جان جائے کہ نواسۂ رسول کی محبت کے احساس میں ہماری ماں کسی بی بی سے کم نہیں ہے اور زوجۂ عباس کے احساس کا تو عالم ہی جداگانہ اس لیے تھا کہ ان کے شوہر نے تمام زندگی اپنے کو حسین علیہ السلام کا غلام سمجھا اور انھوں نے اپنے کو لونڈی بچوں کو ان کے بچوں کا غلام اس لیے وہ تو سمجھتی تھیں کہ ہم ہر طرح سے نثار ہونے کے مستحق ہیں یہی وجہ تھی کہ انھوں نے شوہر کی روانگی کے وقت بچوں کو بھی لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

اسی اشاعت دین وتحفظ ملت کی گتھی وہ بھی ہم سے اچھی کون کھول سکتا ہے ذرا غور تو فرمایئے کہ جب ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں لیکر سینہ زنی کرتے ہیں تو بچہ کی نگاہ ہماری سینہ زنی کو بغور دیکھتی ہے اور ہماری آہ وزاری کو بچہ سنتا ہے جو اس کی نگاہ کے ذریعہ دل میں جاگزیں ہو کر ایمان و ایقان اور محبت حسینی کی وہ مضبوط بنیاد ہو جاتی ہے جس پر آگے بڑھ کر دین اسلام کی عالیشان عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ عزاداری حسین علیہ السلام کے مسئلہ میں مردوں کو حق اختیاری ٹھیکہ داری کہاں سے مل گئی ہے جو وہ ہمیشہ رسم ورواج عزاداری ہی کی ترمیم کا خواب دیکھتے انھیں زندگی کی سیکڑوں رسموں میں جو شادی بیاہ موت وحیات اور تفریحی مشاغل کے سلسلہ میں روزانہ ہوتی رہتی ہیں، نہیں دکھائی دیتی میرے خیال سے تو انھیں کوئی حق نہیں ہے۔

لہٰذا اگر آپ نے ایسا مضمون لکھا تو میں احتجاج کروں گی اور اپنی بہنوں سے درخواست کروں گی کہ جیسے ہماری محترم ماؤں نے بوجہ شہادت حسین علیہ السلام ان کی محبت و الفت کے مظاہرہ میں ان کی شہادت کی عظمت و حرمت کے قایم و برقرار رکھنے کے سلسلہ میں نوحہ و ماتم سے، اسیر و قید سے، مصائب و آلام کی برداشت سے اپنی سینہ زنی و برہنہ سری سے احتجاج کیا اسی طرح سب یک دل و یک زبان ہو کر عزاداری حسین میں نامناسب ترمیمات پر احتجاج کریں۔

بھائی (کچھ سوچنے کے بعد) نامناسب ترمیمات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

بہن۔ یہی وجہ ماتم کی انجمنوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنا، نذر و نیاز و حاضری دسترخوان کی تقسیم پر حملہ کرنا، تعزیہ و علم کے جلوس اٹھانے پر نکتہ چینی کرنا، سبیلیں سجا کے رکھنے یا حسینؑ کے نام پر روٹیوں کے تقسیم کرنے کو جرم قرار دینا اور مجلسوں میں رونے رلانے پر تشنیع کرنا یا ذاکرین کو ہدایت کرنا کہ وہ مصائب و آلام حسینی کا ذکر کم کریں منقبت و مدائح و فقہ کے ممبر رسول پر بحث کریں اور قوم کی اقتصادی گتھیوں کو سلجھائیں خاص کر محرم سے اربعین تک۔

بھائی۔ اور تمہارے نزدیک مناسب ترمیم کیا ہے۔

بہن۔ اس کی اصلاح کی جائے کہ انجمنوں میں تصادم نہ ہو، مجادلہ و مقابلہ کی اسپرٹ انجمنوں میں نہ پھیلے، مجلسوں کی تفریق و تاخیر پر جھگڑے نہ ہوں، ہمیشہ آداب مجلس کا خیال رکھا جائے اور یہ ذہن نشین رہے کہ ہم حسین علیہ السلام کی صف ماتم پر ہیں۔ حسین غریب کا پرسا ان کے بزرگوں کو علی الخصوص آہ! ان کی تفتیدہ جگر ماں و مغموم بہن زینب و کلثوم کو دیتے ہیں اور شب عاشورہ اور روز عاشورہ کو اس طرح بسر کیا جائے جیسے کوئی جوان مرگ پسر مردہ؟

پیکر وفا

از جناب ایم صادق حسین صاحب خنداں

عقل انگشت بدنداں ہے کہیں کیا تجھ کو
کم ہے گر کہئے درِ معدن تقویٰ تجھ کو
حامل صدق و صفا ذات ہے، تیری عباس
حسن فطرت نے وفا سے ہے سنوارا تجھ کو

وفا کے نام کو دنیا میں دی بقا تو نے
عطا کی طبع شرربار کو جلا تو نے
تو آفتاب ہے، اے پیکر وفا داری
ہماری زیست کو تابندہ کر دیا تو نے

عباس تجھ پہ جاہ و جلالت کو ناز ہے
تیری وفا پہ عشق و محبت کو ناز ہے
اے پیکر وفا پسر شاہ لافتیٰ
تیری بہادری پہ شجاعت کو ناز ہے

ص۴!

بیوہ عورت اپنا الم انگیز وقت میں بسر کرتی ہے۔ آہ! بھائی! اور آپ مجھ سے کیا پوچھتے ہیں۔

بھائی نے متاثر ہو کر قلم رکھ دیا آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور بہن سے کہہ دیا کہ صبح کو تمہاری تمام باتوں کو لکھ کر دفتر نظارہ کو روانہ کر دوں گا۔

قرآن مجید کی روشنی میں

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مکمل زندگی،

(از حضرت کمال عظیم آبادی)

قرآن مجید نے اپنی جامعیت کا عملی ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ وہ گذشتہ واقعات جن کے صحت وسقم دریافت کرنے میں دنیا ٹھوکریں کھا رہی تھی ان کا اجمالاً بیان کیا اور مفسرین قرآن نے اس کی تفصیل فرما کے واقعہ کو اصلی خدوخال میں واضح کردیا اور دنیائے تاریخ پر احسان کیا۔

مظلوم کی حمایت میں قرآن مجید نے خصوصاً بہت بڑا حصہ لیا ہے اور ظالم کے فتنہ و فساد پر نمایاں الفاظ میں اظہار نفرت کیا ہے بلکہ یوں کہوں کہ ظالم و مظلوم قرآن مجید کے وہ ابواب ہیں جن کو قدرت نے بار بار پیش کیا ہے

واقعہ کربلا تاریخی حیثیت اور ایک مظلوم کی سرگذشت ہونے کے لحاظ سے ضرور اس کا حقدار تھا کہ لسان قدرت کی خصوصی توجہ مبذول ہو آدم سے تا ایں دم نظر کرو حضرت ابوالبشر اور ابلیس، خلیل خدا ابراہیم اور نمرود موسیٰ اور فرعون قرآن مجید کے وہ موضوع ہیں جنہیں بتلایا گیا ہے کہ باطل پرور حق کے سامنے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

وہ خلیل کے ظالم نمرود کا یہ انسانیت سوز ارادہ کہ وہ حضرت ابراہیم کو نذر آتش کردے پورا نہیں ہوا اور فرعون کا یہ ظالمانہ مقصد کہ حضرت موسیٰ قید خانے بھیج دیے جائیں ناکامیاب رہا مگر تذکرہ مصیبت ہے جو مظلوموں سے ہمدردی پیدا کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے اگر ان واقعات کو حق تھا کہ قرآن مجید میں درج کیے جائیں تو حسین ابن علی کی شہادت عظمیٰ پر تبصرہ بھی قرآن کا شیوہ ہونا چاہیے۔

شیطان نے خلافت آدم سے انکار کیا مگر وہ انکار حضرت آدم کے فضل و شرف سے تھا نہ یہ کہ مخالفت سے ذات آدم پر حملہ ہو۔ لیکن یزید نے حسین کی خلافت سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ حسین کے جان مال اصحاب اور اولاد تک کو فنا کردینے کا بیڑا اٹھایا۔

اور اپنی فوج کے تیر تلوار نیزے خنجر کو پیکر عصمت کی اذیت رسانی کے لیے وقف کر دیا۔

اگر حضرت موسیٰ فرعون کے ہاتھوں قید میں بھیج دیے جاتے تو دنیا کا کوئی قید خانہ ایسا نہیں ہے جہاں اسیروں کو بے آب ودانہ رکھا جائے لیکن یزید نے اپنی فرعونیت سے حسین کو کربلا میں اس طرح قید کیا تھا کہ ان تک اور ان کے بچوں تک فرات کا پانی بھی نہ پہونچ سکتا تھا۔

اب رہا نمرود تو اس نے کبھی اپنی عداوت کو جناب ابراہیم تک محدود رکھا تھا اور تاریخ سے ثابت نہیں ہے کہ اذیت رسانی میں حضرت ابراہیم کے گھرانے سے نمرود کو کوئی سروکار نہ تھا ابراہیم نار نمرود میں پھینکے گئے اور حسین ابن علی کے یتیم بچوں کے خیموں میں فوج یزید نے آگ لگائی اور اطفال خورد سال چاروں طرف سے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں اسیر تھے۔ یزید کے یہ مظالم یقیناً دنیا کے تمام ظلموں سے بڑھے ہوئے تھے اور قرآن حکیم میں اگر اس کا تذکرہ نہ ہوتا تو کلام الٰہی کی جامعیت پر حرف آتا۔

اثبات مطلوب کے قبل یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ قرآن مجید نے کسی موضوع کو من و عن بیان نہیں کیا ہے اور نہ یہ قرآن کی شان ہے کہ وہ اول سے آخر تک کسی واقعہ پر روشنی ڈالے قرآن کی طرف سے اشارہ ہوتا ہے اور اہلبیت اس کی تفصیل کرتے ہیں قصص و حکایات، سیر و امثال احکام و عبادات، قرآن کے تمام باب اسی نہج پر قائم ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں قرآن مجید حسین ابن علی کی سوانح عمری ہے۔

واقعۂ کربلا کب ہوا؟ اگر دیکھنا ہے تو یہ
ڈھونڈو کہ قرآن مجید سے الٓمٓ تلاش کر لیا جائے بلکہ
یہ دیکھو کہ بعثت رسول سے شہادت حسین تک کتنے دن گزرے
تھے جناب سرور کائنات کی تبلیغ رسالت جو بعثت کے بعد سے
شروع ہوتی ہے اور حسین کی شہادت تک بقول علامہ مجلسی
۷۱ سال ہوتے ہیں جس کی خبر قرآن مجید نے دی ہے الٓمٓ
یہ مقطعات سورۂ بقرہ اور قرآن کے پانچ دیگر سوروں کا افتتاحیہ
میں اگر حساب جمل سے قطع نظر کی جائے اس وقت بھی ہر سہ
حروف میں رنج و غم مضمر ہے اور الٓمٓ کو دیکھ کر کربلا کا پر الم
واقعہ نگاہوں میں پھر جاتا ہے۔

وہ انسان کامل جس نے تہذیب و معاشرت کو زندہ کر دیا کب پیدا ہوا اور کیا اس کی ولادت باسعادت بھی غم والم کی تصویر تھی؟

اس کے جواب میں قرآن ترجمانی کرتا ہے "حملتہ امہ کرھا
ووضعتہ امہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا" وہ
اپنی مادر گرامی کے بطن میں صرف چھ مہینہ رہا اور مصیبت زدہ ماں
زمانہ حمل اور زچہ خانے میں بچہ کی خبر شہادت سن کر آٹھ آٹھ
آنسو روتی رہی۔

حسینی قافلہ اپنے وطن میں تہ تیغ ہوا یا خدا شناس بندے پردیس میں مہمان بلا کر قتل کیے گئے؟

اس سوال کا جواب بھی قرآن مجید میں ہے "الذین اخرجوا
من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ"
جتنے مصیبت زدہ آوارہ وطن ہوئے ان میں حسین ابن علی
کی غربت سب سے بڑھی ہوئی تھی اور وہ بھی آیت کے مصداق بدرجہ
اتم ہیں۔

کیا وہ اپنے گھرانے میں پہلے شہید تھے؟ یا ان کے باپ اور بھائی کو بھی شہادت کا درجہ عطا ہوا تھا؟ قرآن مجید
بتاتا ہے "لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا
کبیرا" رسول کی بدبخت امت نے پہلی تلوار مسجد کوفہ میں
علی مرتضیٰ کے سر پر لگا کر ان کو سجدۂ باری میں شہید کیا تھا
یہ پہلا فساد تھا۔ اس کے بعد حسن مجتبیٰ کو زہر ہلاہل کا جام
پلایا گیا اور یہ دوسرا فتنہ تھا۔ آخر میں شام والوں کی
سرکشی اور ظلم حد سے بڑھ گیا اور کربلا میں پنجتن کا خاتمہ
کر دیا گیا۔

وہ کہاں اور کس عالم میں شہید ہوئے قاتل کا کیا نام تھا؟

خامس آل عبا کی اس طویل سرگزشت کو پانچ حرفوں میں
بیان کر کے سوانح حیات کو ختم کر دیا اور فرمایا "کھیعص" یہ بزم
عزا رسالت مآب کے سامنے منعقد نہیں ہوئی بلکہ آپ کی بعثت سے
کئی صدی قبل کا واقعہ ہے حضرت ذکریا نبی نے بارگاہ ایزدی
میں عرض کیا کہ مجھے پنجتن کے نام تعلیم کیے جائیں جبرئیل نے
محمد و آل محمد کے اسماء سکھائے۔ آپ نے ان ناموں کو زبان
پر جاری رکھتے ہوئے محسوس کیا کہ وہ جب چار نام لیتے ہیں
تو ایک قسم کی فرحت پیدا ہوتی ہے اور پانچویں نام کے ساتھ
بالیدگی غم سے تبدیل ہو جاتی ہے اور آنکھیں آنسوؤں سے
لبریز۔ جبرئیل سے نبی نے اس مسرت اور پھر غم کا سبب دریافت
کیا اور تعجب کے ساتھ بیان کیا کہ چار ناموں سے تو مجھے تسلی
ہوتی ہے اور جب حسین کا پانچواں نام لیتا ہوں تو آنکھوں
سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں خدا نے وحی کی کھیعص اور
نبی خدا پر یہ اثر ہوا کہ تین دن تک مسجد سے باہر تشریف
نہیں لائے اور لوگوں کو منع کر دیا کہ میرے پاس نہ آنا۔
عبد و معبود میں ایک گفتگو تھی اور حدیث میں صراحت
نہیں ہے کہ جبرئیل نے ذکریا کے سامنے توضیح کی ہو مگر جس
نے سوال کیا تھا وہ جواب کو سمجھا اور تین دن تک روتا رہا

اس راز کو قربان گزرنے کے بعد امام زماں حضرت حجت علیہ السلام نے فاش کیا اور فرمایا کہ :۔
"ک" سے مراد کربلا اور "ہ" سے مراد ہلاکت عترت اور "ی" سے یزید، قاتل حسین اور "ع" سے "عطش" اور "ص" سے مراد صبر ہے (الفزع ۲ الاکبر قلمی)

زنجیر ہلا دی

سید افضل حسین صاحب کیفی رضوی لکھنوی

خشک ہونٹوں سے اک راہ محبت کی بنا دی
چھ ماہ کے بچے نے بھی تعلیم وفا دی،

ہر گام پہ سجاد کی زنجیر سے تھم کر
کچھ اور بھی میعاد اسیری کی بڑھا دی

یوں کٹ گئیں زنداں کی شبیں کہتے تھے عابد
میں چپ جو ہوا پاؤں کی بیڑی نے صدا دی

بیمار کے نزدیک گئے شاہ دو عالم
سر زانوئے اقدس پہ رکھا اور دعا دی

بھن جاتا جو گرتا کوئی دانا بھی زمیں پر،
اس دھوپ نے پیاس اور بھی بچوں کی بڑھا دی

اے فوج مجھے بھرنا ہے اک سوکھی ہوئی مشک
عباس نے میدان میں آ کر یہ صدا دی

بانو نے جسے سایہ میں ارمانوں کے پالا،
تقدیر نے وہ چاند سی تصویر چھپا دی

بابا مری امداد کو اب آیئے رن میں
پھل برچھی کا کھا کر علی اکبر نے صدا دی

شہ لائے جواں لال کا اس طرح سے لاشہ
سینے سے لگایا کبھی دامن کی ہوا دی،

یہ تھا قرآن مجید کا وہ احسان جو واقعہ کربلا کی ترجمانی کی تکمیل کے بعد تمام اہل عالم پر ہوا اور جو قومیں حسینیت سے دلچسپی رکھتی ہیں ان کو شکوہ باقی نہ رہا کہ قرآن ایسی جامع کتاب میں واقعہ کربلا پر کوئی نوٹ نہیں ہے۔

فرماتے ہیں شہ میت اصغر کو اٹھا کے،
افسوس کہ ناوک نے تری پیاس بجھا دی

سوکھے ہوئے حلقوم پہ نانا کا گلا ہے
دیکھا بھی شقی تو نے چھری کس پہ چلا دی

اے شمر فضا ہو گئی تاریک جہاں کی
اندھیر کیا شمع امامت کی بجھا دی

اسپ شہ دیں زین جو خالی نظر آیا
زینب نے جگر تھام کے بھائی کو صدا دی

بے پردہ جو احمد کی نواسی نظر آئی!
خود خاک نے چادر سر زینب پہ اڑھا دی

بازو ہیں رسن بستہ تو سر پہ نہیں چادر
بازاروں میں پھرتی ہے دو عالم کی خدا دی

کچھ رحم نہ آیا کسی بے دین کو کیفی
تصویر پیمبر کی لعینوں نے مٹا دی

رباعی

عالم میں علیؑ کل کے شہنشاہ ہو،
ذی رتبہ و ذی عزت و ذی جاہ ہو
ہوتے ہی جواں خلق میں قوت یہ بڑھی
بازوئے نبی و اسد اللہ ہو، !

معجز

مرجائیے یا حسینؑ کہتے کہتے

از حضرت سلطان المتکلمین عمدۃ الواعظین جناب مولانا مولوی محمد مصطفیٰ صاحب قبلہ صدر الافاضل

منتخب شیخ طریحی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مرسل کہ "چوں پیغمبر خبر داد بفاطمہ کہ حسینؑ در وقت نبودن من و تو پدر و برادر او شہید شود عرض کرد کہ گریہ می کند براو و ملتزم باقامت عزای او می شود۔ فرمود اے فاطمہ زنان امت من زنان اہلبیتم گریہ کنند و مردان امت بر مردان و تجدید می کنند عزا را ہر سالہ جیلا بعد جیل" (شفاء الصدور) اس وقت تک مرسل تھی اور اس کا شمار صفات روایات میں تھا جب تک اس نے پیشین گوئی نے اس واقعہ کی صورت اختیار نہ کی لیکن جب سے عالم نے عزائے سید الشہداء کی بنا ڈالی اس وقت سے یہ حدیث ضعفات کی حد سے نکل کر صحاح میں داخل ہو گئی بلکہ اس کا شمار اخبار بالغیب معجزات نبویہ میں ہو گیا اس نظر سے دیکھنے کے بعد اس حدیث مقدس سے حسب ذیل امور استنباط کیے جا سکتے ہیں۔

(۱) جناب معصومہ کا پوچھنا کہ کون شخص حسینؑ پر روئے گا اور کون شخص اُن کی عزا قایم کرے گا" یہ اس بات کی جانب مشعر ہے کہ حسینؑ پر رونا اور اقامۂ عزا کرنا پسندیدہ معصومۂ عالمیان ہے اور معاذ اللہ کہ جناب معصومہ ایسی بات پسند کریں جو شریعت نبوی کی رُو سے جائز نہ ہو لہذا ثابت ہو کہ بکا بر حسینؑ و اقامت عزائے حسینؑ شریعت نبوی کا جزو ہے۔

(۲) رسول خدا کا خبر دینا کہ زنان امت زنان اہلبیت پر گریہ کریں گی اور مرد مردوں پر۔ اس میں عورت و مرد ہر صنف کا فرض واضح کر دیا گیا ہے نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ صرف قتل موجب بکا نہیں ہے ورنہ عورتوں کا عورتوں پر رونا کیا معنی؟ اس لیے کہ روز عاشور زنان اہلبیت میں سے کوئی عورت درجۂ شہادت پر فائز نہیں ہوئی۔

(۳) تجدید عزا کریں گی ہر سال ایک قوم بعد دوسری قوم کے۔ اس کلمہ میں استقبال کی خبر دے کر زمان مستقبل کو محدود کرنا اشارہ ہے کہ دنیا کا مستقبل جب تک ہے اس وقت تک عزائے حسینؑ قایم ہوتی رہے گی اور اگر زمانہ کی نیرنگیاں اور دینی خصوصیات کے ساتھ اسے بھی فنا کر دینا چاہیں تو میری امت کے فردوں کو چاہیئے کہ اس کے باقی رکھنے میں اپنا پورا ایمانی زور صرف کریں کیونکہ اس امر کی بقا میری امت میں ہونے کا ثبوت اگر ہے۔ سیدہ کے جذبۂ مادری کا احترام الگ اور پھر حسینؑ کی یاد اور انکا ذکر الگ۔

(۴) چونکہ حدیث مقدس میں لفظ "یجددون" آیا ہے اور جدت (نوی صد کہنگی) سے ماخوذ ہے اس لیے ممکن ہے کہ یہ مطلب بھی اخذ کیا جائے کہ عزائے حسینؑ میں ہر دور کے موافق اور ہر عصر کے مناسب تجدید کریں گے اور ایسے عنوان اختیار کریں گے کہ اس عصر کے لوگ اس واقعہ عظیم اور حادثہ کبریٰ کی جانب ملتفت ہوں اور جو سبق روحانی اس شہادت علیا کے ذریعہ سے دیا گیا ہے وہ اہل عصر تک پہونچ جائے جو حسینؑ کا مقصد اصلی تھا لیکن اس کلمہ کے بعد "لعزا" یعنی "یجددون لعزا" کی ترکیب بتاتی ہے کہ تجدید میں وہی امور لائے جائیں جو ذریعہ صبر و تسکین خمسہ بنجا ہوں اور اس کی دو صورتیں ہیں جن کی جانب سیدۂ عالمیان نے اپنے سوال میں اشارہ فرمایا ہے یعنی (۱) حسینؑ پر کون روئے گا؟ یہ امر اُن حضرات کی تشفی کا باعث ہوگا کہ اگر اہلبیت حسینؑ آپ پر رونے نہ پائے تو ایک فرقہ ہر دور میں ہوتا آیا اور تا قیام قیامت پیدا ہوتا رہے گا جو اس امر بزرگ کی

اقامت کرتا رہا اور کرتا رہے گا جس سے شخصیت حسین و
عظمت مصائب حسین علیہ السلام پر روشنی پڑتی ہے لہذا عزا میں
ان امور کا ہونا ضروری ہے جو باعث گریہ و بکا ہوں کیونکہ
پہلا مقصد سوال معصومہ میں یہی ہے۔

(۲) اور کون اقامت عزا کرے گا کون صف ماتم
بچھائے گا؟ کون مجلس سید الشہداء قائم کرے گا؟ کون
ان کے کارنامے ذکر کرے گا؟ کون حسین کے مقصد عظیم کو
عالم آشکارا کرے گا؟ کون امر کو زندہ کرتا رہے گا؟
جسے یزید اور یزیدیوں نے مٹانا چاہا اور حسین اور حسینیوں
نے شہادت گوارا کر کے ابد الآباد تک کے لیے زندہ کر دیا اور یہ
دوسرا مقصد سوال جناب معصومہ کا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دور یزید میں
اسلام بہت بڑے خطرہ سے دوچار ہو رہا تھا۔ [illegible]
توحید کا انکار دل سے زبان تک آچکا تھا [illegible] وہ لوگ
وحدت نگاہوں میں خار ہو رہے تھے انھیں [illegible]
کی ضرورت محسوس ہوئی اور کیوں نہ ہوتی [illegible]
اقرار توحید تھا اور اب نفاق پر انکار — اقرار توحید [illegible]
کی پردہ داری کر رہا تھا۔ ابلیسی کارگزاریاں [illegible]
تھیں وہ پاکیزہ سبق جسے محمد عربی صلی اللہ علیہ [illegible]
نے مصائب برداشت اور جانبازی کر کے [illegible]
تھا اس کی تبلیغ جاری تھی اور ان تیز [illegible] مقدس ہستیوں کے
[illegible] انسان صورت [illegible] کی کوششیں بار آور ہوتی
نظر نہیں آتی تھیں اس لیے ان مخالفین کی ذریت [illegible]
کہ محمد عربی کی سچی تعلیم کے حاملین ہی دنیا سے [illegible]
نابود کر دیے جائیں ورنہ کفر اسی جو نفاق کے پردے
میں چھپا کر ایک محفوظ کنارہ رکھتا ہے عرض و طول عالم
میں جگہ نہ مل سکے گی۔ قدرت منتظر تھی کہ جب کفر و نفاق

اور ابلیسیت اس پر کمربستہ ہو جائے تو میں محمد عربی کی رسالت
کو ایک ایسے مجاہد کی صورت میں پیش کر دوں گا جو کام تو وہی کرے
جو بزرگوں نے انجام دیا۔ لیکن صورت عمل زمانہ کے موافق ماحول
کے مطابق، فضا کے مناسب اور ابلیسی کارگزاریوں کا پورا
پورا جواب ہو جس کی شکست میں فتح مضمر اور فنا میں بقا کا
جلوہ ہو اور وہی سبق جسے دنیائے ضلالت مٹانا چاہتی ہے دامن
جہالت جلی حرفوں میں بقائے دوام پا جائے چنانچہ قدرت نے
حسین علیہ السلام کو پیش کیا اور حسین علیہ السلام نے بہتر کو۔ اور جس ثبات قدم واستقلال
ہمت بلند و شجاعت کامل کے ساتھ ان منتخب روزگار افراد نے
الہی کارناموں کو باقی رکھا اس کی نظیر عالم کے کسی گوشہ میں نہیں
مل سکتی۔ ان کی شہادت نے بتا دیا کہ حسین علیہ السلام کی طرف حق تھا اور ادھر
باطل حسین کی جانب ہدایت اور ادھر ضلالت حسین راہ توحید
کے ہادی تھے اور ادھر کفر کی رہبری۔ حسین علیہ السلام آدم سے لیکر خاتم
تک ہر نبی کے ورثہ دار تھے اور ادھر [illegible] کی نیابت لہذا ہر موحد
کا عقلی و وجدانی فرض ہے کہ حسین کے واقعات یاد کرے اور
ان کے مصائب پر فطرت کے مطابق آنسو بہائے اور ان کے کارناموں
و روحانی تعلیموں کو دل کی نگاہ سے دیکھ کر ہیجان قوت کرے
[illegible] اقامت عزا کا مقصد جو سیدہ عالمیان کے سوال میں مضمر تھا
[illegible] تو ہمارا فرض ہے کہ ہم معصوم کی تاریخ [illegible] ذات میں حزن و غم
[illegible] معصوم نے شیعہ کا معیار بھی بنایا ہے [illegible]
[illegible] لیکن غم حسین علیہ السلام [illegible] خصوصیت
[illegible] حضرت ختمی مرتبت سے لیکر آخری معصوم تک ہر ہادی نے
[illegible] کی ہدایت کی کہ غم حسین علیہ السلام [illegible]
[illegible] کی شہادت عظمیٰ نے حضرت اپنے ما سلف [illegible] کارنامے
[illegible] رکھے بلکہ خلف صالحین کی دینی خدمتوں کی جانب دنیا کی
نگاہیں موڑ دیں کہ جب حق پر [illegible] حق میں نگاہ محمد تک پہونچیگی
اور یہاں اسے حق کا جلوہ نظر آئے گا تو پھر اس سلسلہ کو ہاتھ

ابوالفضل العباسؑ

جناب محب لندنلہ فصلی نظم میں جو سحر فراوانی ہو ظاہر ہے اور نظارہ کیلئے صرف سب شکر گزاری ہی نہیں بلکہ باعث فخر بھی ہے جس میں آسم گرامی ہر مصرعہ کا پہلا حرف جمع کرلیجے اخبار نظارہ و ابوالفضل العباس نمبر نکلتا ہے جسمیں شاعر کو انتہائی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہم نذرِ فصلی سکا ناچیز شکریہ قبول ہو۔ (فصلی)

"از جناب مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ قصبہ جراس ضلع بارہ بنکی"

ا اٹھایا یوں علم عباس نے پیاسوں کے لشکر کا، ل لب دریا رہا تا حشر قبضہ اس دلاور کا، ۱
خ خطا تھی صف سقائی کی جب کٹ گئے شانے ف فضائل میں اثر تھا جعفر و ساقیٔ کوثر کا ۲
ب بنا دریا کا پانی آئینہ دل کی کدورت کا ض ضیافت نے کیا کینہ عیاں قوم ستمگر کا ۳
ا امیدیں توڑ کر بجھتی دل جرار کا توڑا، ل لگا مشک سکینہ پر وہ پیکاں بانیٔ شر کا، ۴
ر رہے باقی نہ بازو جگر ی مجبور کے تن پر ا الم سے سرنگوں رایت ہوا سبط پیمبر کا ۵
ن نبی کے سامنے پہونچا جو اپنا حق ادا کرکے ل لہو سے سرخرو تھا لعل کان نسل حیدر کا ۶
ظ ظفر عباس نے یوں پائی افواج شدائد پر ع علم دنیا میں لہراتا ہے ابتک اس غضنفر کا ۷
ا امام وقت کی خاطر کٹا کر دونوں ہاتھونکو ب بتایا مقصد بیعت دبایا زور سب زر کا ۸
ر رفاقت اور حمیت کی جہاں میں شان گھٹجاتی ا اگر منظور کرتے اپنے آگے قتل صفدر کا، ۹
ہ ہمیشہ خود کو سمجھے خادم ناچیز مولا کا س صدا ملحوظ رکھا فرق رہبر و اور رہبر کا ۱۰
ا انھیں کہنے لگے اہل جہاں ماہ بنی ہاشم ن نظر آیا جو عکس انکی علیؑ سے مہر انور کا ۱۱
ب بہادر وہ کہ حیواں پر اثر تھا ضبط و ہمت کا م مزار ہوا رہی دریا سے پیاسا شیر صفدر کا ۱۲
و وفا ایسی گئی جان حزیں بھی ساتھ پانی کے ب بہا خوں بن کے آب مشک گویا جسم اطہر کا ۱۳
ا الٰہی فضل کرنا تا کہ نظارہ ہو روشنے کا ر رفیع المنزلت ہو نجم باقر کے مقدر کا ۱۴

سے بند دیگا اور میرے بعد آنے والے معصوم افراد کا تحسس کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اپنی ہدایت کو اس ذات تک پہونچا دے گا جس کا وجود دامن بخشش سے وابستہ ہوگا حاصل یہ کہ ایک حسینؑ کا تذکرہ چاردہ معصوم کا تذکرہ ہے اور ایک حسینؑ کی یاد ان سب کی یاد ہے ہماری مجلسیں انھیں خصوصیات کی حامل ہیں اور رہینگی۔

ہم حسینؑ کی مجلس میں خدا کو یاد کرتے ہیں محمد مصطفیٰؐ کا تذکرہ کرتے ہیں علی ابن ابیطالب معصومۂ عالمیان کے فضائل ذکر کرتے ہیں حسن مجتبیٰ کے کمالات عام تک پہونچاتے ہیں اور سید الساجدین سے لیکر امام عصر تک سب کے ذکر سے برکت حاصل کرتے اور ان علوم لدنیہ عالم آشکار کرتے ہیں ہماری مجلسیں مظاہرہ فطرت یعنی گریہ و بکا کے ساتھ درسگاہ معرفت بھی ہوتی ہیں جنھیں قائم رکھنا عقلی ایمانی فرض ہے اور یہ سب کچھ حسینؑ کی بدولت ہے اسلیے ع مرجائیے یا حسینؑ کہتے کہتے

اساس نظام عالم

یا

محبت و وفا

از جناب ڈاکٹر سید مجاور حسین صاحب رضوی

محبت کی عمومیت سطح ارض کے تمام بسنے والوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو کوئی فرد ایسی نہیں ملے گی جس کو دعوئ محبت نہ ہو اور جو اپنے نظریے کے ماتحت کسی نہ کسی کو اپنا محبوب نہ سمجھتی ہو۔ عام اس سے کہ افراد عالم کالے ہوں یا گورے وحشی ہوں یا مہذب تعلیم یافتہ ہوں یا جاہل، ہر ایک لفظ محبت کو دوست رکھتا ہے اور کسی نہ کسی حیثیت سے کسی نہ کسی چیز کو اپنا محبوب سمجھتا ہے شعرائے عالم نے اسی محبت کے تذکرہ سے دیوان کے دیوان سیاہ کر ڈالے۔ علماء مذاہب نے اپنی تبلیغ کا موضوع سخن محبت کو قرار دیا۔ فلسفیوں نے اسی محبت کو بہترین فضیلت ثابت کرنے کی کوششیں کیں انبیاء و رسل اسی کی تعریف میں رطب اللسان رہے اور اسی محبت کو اصل مذاہب عالم قرار دیا۔ مختصر یہ ہے کہ ہر ایک انسان، محبت کو اصل مدعا سمجھتا ہے۔ محبت کی اسی محبوبیت نے مجھ کو بھی اس پر آمادہ کیا کہ میں بھی اس غیر مرئی اور نادیدہ محبوب کی حقیقت معلوم کروں اور سلسلہ میں اس بات کا بھی سراغ لگاؤں کہ آخر محبت ہے کیا شے اور اہل عالم نے اس کی ماہیت و حقیقت کو کیا سمجھا ہے۔

اقوام عالم اور مذاہب عالم کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کے باب میں سب متفق ہیں لیکن ہر ایک قوم و مذہب کے افراد کے محبوب الگ الگ ہیں۔ اسی اختلاف کو نتیجہ غلط محبت کے سمجھنے کے ضرورت ہوئی کہ اول یہ معلوم کیا جائے کہ آخر محبت کیا چیز ہے۔

حقیقت محبت اگر محبت کے معنی دنیا کی چاہ کو مختلف معاشرت کے انداز کے لحاظ سے اس میں اختلاف پایا جائے گا لیکن محبت کیا ہے۔ لفظی اعتبار سے کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر اتنا ہر ایک کو تسلیم ہے کہ محبت ایک غیر مادی شے ہے اور صرف کیفیت قلب یا تاثرات قلب کا نتیجہ ہے اسی کیفیت کو جذب۔ جذب و کشش کہا جائے یا میلان و رغبت طبع یہیں سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ چونکہ ہر ایک انسان کا رجحان طبیعت مختلف ہے بس وجہ سے ہر ایک کا محبوب بھی جداگانہ ہے۔ اگر اس حد تک اس مسئلہ کے سمجھنے کو کافی سمجھ لیا جائے۔ (اگلے صفحہ پر)

رباعی

از جناب سید مہر حسین صاحب معجز سکریٹری انجمن ماتم شاہ الناس رستم گنج لکھنؤ

فخر کیوں کر نہ ہو ایسی قسمت مجھ کو
شکر حق ہے ہوئی حسرت زیارت مجھ کو
زائر و ماتمی مدام کیوں نہ ہو معجز!
آل احمد کی دل سے ہے محبت مجھ کو

اور خلافت محبوب پر نظر غائر نہ ڈالی جاسکے تو اشرف مخلوقات ہونے کا دعویٰ انسان کے لئے موزوں نہ ہوگا کیونکہ

(۱) جمادات مخلوقات میں پست ترین طبقہ ہے مگر جمادات میں سے ہر ایک شے میں بلکہ ان کے ہر جزو کے

نظام عالم

ہر ذرہ میں ایک کشش و جاذبیت پائی جاتی ہے یہی کشش یا جاذبیت جمادات کے ہر جزو کو سالم و برقرار رکھتی ہے ورنہ اس کے ذرات متفرق و منتشر ہو جائیں اور وہ شے من حیث المجموع شے نہ کہی جاسکے علاوہ بریں پتھر، مٹی، لوہا، ذرات ارض وغیرہ وغیرہ ہر شے اپنے کرہ کی طرف کشش و جذب رکھتی ہے اور بجز وصل کے فتراق و انتشار کے لئے کسی حالت میں بھی تیار نہیں ہے۔ آپ جب چاہیں تجربہ کرلیں کہ جب مٹی کا کوئی ٹکڑا زمین سے اٹھا کر پوری طاقت سے ہوا میں پھونک دیا جائے تو وہ ٹکڑا ہاتھ کی طاقت کے ختم ہوتے ہی اپنے مرکز پر پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ واپس ہوگا۔ یہی حال اجرام فلکی کا ہے۔ ہر سیارہ و ثابت ایک دوسرے سے صرف قوت جذب کی بدولت معینہ حدود پر قائم ہے۔ اگر ان کی جاذبیت میں کچھ بھی فرق پڑ جائے تو نظام عالم زیر و زبر ہو جائے۔

(۲) نباتات، چونکہ حکمائے قدیم و متاخرین نے اسباب محبت میں جلب منفعت اور لذت نفس کو داخل کیا ہے اس لحاظ سے نباتات کی سبز اور نازک پتیوں اور شاخوں اور اصول میں بھی یہ جذب و کشش بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہر پودا اپنا موافق طبیعت اور مرغوب فطرت اغذیہ کا مشتاق ہے اور باوجود موانع اپنے محبوب کو حاصل کرتا ہے اور اسی طرح اپنی ہستی کو برقرار رکھتا ہے۔ بعض درخت تو اپنے محبوب کے اتنے طالب رہتے ہیں کہ جب تک ان کے ہم مزاج محبوب کو ان کے متصل نہیں لگایا جاتا وہ نہ پھولتے ہیں اور نہ پھلتے ہیں بلکہ نامراد ہی خشک ہو جاتے ہیں۔

(۳) حیوانات چونکہ منزل انسانی سے قریب تر ہیں لہٰذا ان میں تو محبت کا مادہ بہت زیادہ موجود ہے اور حیوانات معاملہ محبت میں اتنے پختہ ہیں کہ انسان باوجود اشرف مخلوقات ہونے کے ان کی محبت کے افسانے دُہرایا کرتا ہے اور اس نے اپنے علم ادب کا موضوع ہی ان افسانہائے محبت کو قرار دیا ہے۔ "بلبل کا عشق گُل سے" اور پروانہ کی محبت شمع سے افسانوں میں ضرب المثل ہو چکی ہے۔ علاوہ بریں شیر اگرچہ ایک خوفناک درندہ ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہیب جانور کو محبت سے کوئی لگاؤ نہ ہوگا مگر ایسا نہیں ہے۔ شیر بھی اپنے سینے میں دل رکھتا ہے اور اس میں وہی کیفیت قلبی پیدا ہوتی ہے جس کا نام محبت ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اپنے مادہ اور بچوں سے محبت کرتا ہے یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب یہی خونخوار جانور گھریلو طریقے پر پال لیا جاتا ہے تو غیر جنس یعنی انسان کو اپنا مالک تصور کرکے اس کے قدموں پر پُر محبت انداز میں لوٹنے لگتا ہے۔ اگر اس کے دل میں کیفیت محبت پیدا نہ ہوتی

کیونکہ اس سے یہ فعال محبت سرزد ہوتے بارہا دیکھا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں جب ان کے بچوں پر کوئی بڑا جانور حملہ کرتا ہے اور ان کے آشیانے سے بچوں کو بہ جبر نکالنا چاہتا ہے تو وہ بغیر اپنی جان کی پرواہ کئے ہوئے اس موذی قوی ہیکل جانور پر حملہ کرتی ہیں۔ اگرچہ قوت و طاقت کے لحاظ سے وہ بہت ہی کمزور اور نحیف ہوتی ہیں مگر محبت کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنے سے قوی تر کے مقابلے پر تیار ہو ہی جاتی ہیں بلبل جب شاخ گل تک پہونچ جاتی ہے تو اس کے نغمے سے دل میں محبت کی وہ لہر پیدا ہوتی ہے کہ وہ عالم بیخودی میں فریاد کرتے کرتے صیاد کا شکار ہو جاتی ہے اور پروانہ جب نور شمع کو گھنے جنگلوں کی پتیوں میں سے چھنتے ہوئے دیکھتا ہے تو تاریکی شب اور طوفان باد و باراں کی بغیر پرواہ کئے ہوئے اپنے محبوب تک پہونچتا ہے اور طواف محبوب کرتے ہوئے شمع کی لَو سے لَو لگا کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاتا ہے۔

انسان اور محبت

جبکہ موالید ثلاثہ کی ہر فرد کی بقا کا انحصار محبت پر ہے تو چونکہ انسان حیوان سے بھی اشرف و بلند مرتبہ ہے لہذا میدان محبت میں اس کا ہر مخلوق سے پیش پیش ہونا ضروری ہے۔ یہی تو وجہ تھی خالق یکتا نے جب انسان کو خلق فرمایا تو اس کا نام بھی اِنس رکھا۔ اِنس اور اُنس میں صرف زبر و زیر کا فرق ہے ورنہ اِنس وہی ہے جو اُنس ہی اُنس ہو۔ اگر دوسرے مخلوقات کے مانند انسان میں بھی کچھ محبت یا اُنس پایا جاتا اور انسان مطلقاً و کلیتہً اُنس و محبت نہ ہوتا تو انسان کو دیگر مخلوقات پر درجہ شرف حاصل نہ ہوتا۔ دوسری مخلوقات کو کچھ محبت دی گئی اور انسان کو محبت ہی بنا کر پیدا کیا گیا۔

چونکہ محبت اساس نظام عالم ہے اور انسان مدعاے و غرض خلقت عالم ہے اس لحاظ سے بھی قدرت نے انسان کو مجسمۂ محبت بنایا۔ اب اگر کسی انسان میں محبت نہ پائی جائے تو انسان تو انسان اس کو حیوان بھی کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر انسان محبت کی حقیقت کو نہ سمجھے اور اپنا صحیح محبوب معین نہ کر سکے اور مثل دیگر مخلوقات کے مختلف محبوب بنائے تو بھی انسان اور حیوان میں وجہ امتیاز کوئی شئے نہ رہے گی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا محبوب صرف حواس ظاہری کے معیار سے معین نہ ہونا چاہئیے بلکہ معقولات کی بنا پر اس کا انتخاب کیا جانا انسانی کمال کے اظہار کا سبب ہو سکے گا۔ کیونکہ اگر انسان صرف حسن صورت ہی کو محبوب رکھے تو اس کا اشرف مخلوقات ہونا غلط ثابت ہوگا اور اس کا شمار زیادہ سے زیادہ جانوروں میں ہو سکے گا کیونکہ بلبل گل پر، چکور نور ماہ پر اور پروانہ نور شمع پر فریفتہ ہے اور ان حیوانات کی محبت میں غرض کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے اب اگر انسان صرف مادی اشیاء کو اپنا محبوب بنائے گا تو لازمی اس کی محبت میں غرض بھی شامل ہو گی۔ اس لحاظ سے انسان کا مرتبہ حیوانات سے بھی پست تر ہو جائے گا اور اس کا شرف انسانیت فنا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر

انسان اور دست آگے قدم بڑھا کر آواز خوش آیند اور نغمائے دل پسند کا فریفتہ اور دلدادہ ہوگا تو بھی بلحاظ مرتبہ محبت اس کا پایہ مار زہر آلود (زہریلے سانپ) سے زیادہ نہیں ہو سکتا کیونکہ بانسری کی سریلی آواز پر سانپ بھی سر دھنتا ہے۔

بہر حال انسان کو اپنی شرافت و فضیلت انسانی قائم رکھنے کے لئے لازمی ہے کہ اس کے قلب میں تمام موجودات سے زیادہ کیفیات محبت موجزن ہوں اور اس کا محبوب موجودات عالم کے محبوبوں کے مقابل میں زیادہ حسین اور غیر مادی اور غیر فانی ہو۔

اگر اقوام عالم اس دقیق مسئلہ کو حل کر لیتی تو یقیناً تمام عالم سے فسادات، جنگ وجدال، دغا و فریب و خونریزی و سفاکی اختلاف و افتراق فنا ہو جاتا اور امن و امان، محبت و اتفاق کا دور دورہ ہوتا آج اہل عالم بوجہ جنگ و نفس پرستی کے جن مصائب میں مبتلا ہیں ان سے نجات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ انسان مادیت سے بالاتر ہو کر اپنے مرکز محبت کو معین کرے اور صحیح محبوب کا سراغ لگائے۔ بہرحال اب میں اہمیت محبت کو واضح کر کے مظہر محبت و وفا کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

فلسفہ کی رو سے محبت و وفا کا درجہ } انسان مدنی الطبع است و کارہائے عالم بہ معاونت یکدگر وابستہ و انسان را ضرورت محبت بالطبع متوجہ بکمال آفریدہ اند پس انسان بالطبع محتاج محبت است۔ (ترجمہ) "یہ مسلم ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور عالم کا نظام ایک دوسرے کی مدد پر منحصر ہے۔ علاوہ بریں انسان کو فطری طریقے پر ترقی باکمال کی جانب مائل پیدا کیا ہے لہٰذا انسان فطری طور پر محبت کا محتاج ہے"

(اخلاق ناصری فلسفہ اخلاق ص۳۶۵)

محبت اساس نظام عالم ہے } فلسفہ اخلاق کی رو سے یہ بات مسلم ہے کہ مکارم اخلاق یا اجناس فضائل صرف حکمت، شجاعت، عفت و عدالت ہیں اور عدالت کا مرتبہ حکمت و شجاعت و عفت ہرسہ فضائل سے اعلیٰ وارفع ہے لیکن ان فضائل چہارگانہ پر بھی جو چیز ترجیح و فضیلت رکھتی ہے وہ محبت ہے۔ میرے اس قول کی تائید مندرجہ ذیل حوالہ سے ہو گی:۔

"محبت عدالت پر بھی فضیلت رکھتی ہے۔ اگرچہ عدالت اکمل فضائل انسانی ہے اور محافظت نظام نوع انسانی میں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے مگر انصاف و عدالت کی اسی وقت احتیاج ہوتی ہے جبکہ دو شخص کے درمیان محبت نہ ہو۔ انصاف کے معنوی معنی متنازع فیہ کے دو برابر حصے کرنے کے ہیں اور منصف یا عادل دو اشخاص کے درمیان شئے

متنازع فیہ کو دو برابر حصے کردیتا ہے لہٰذا انصاف کثرت کا مقتضی ہے اور محبت سبب اتحاد ہے۔ انہیں وجوہ کے بنا پر محبت عدالت پر فضیلت رکھتی ہے اور تمام موجودات کی بقا کا سبب صرف محبت ہی قرار پاتی ہے۔" (اخلاق ناصری)

بہر حال یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ محبت موجوداتِ عالم میں فطری طریقے پر قدرت کی جانب سے ودیعت رکھی گئی ہے۔ اور بقائے عالم اسی پر منحصر و موقوف ہے اور انسانی کمالات کے حصول کے لئے صرف محبت ہی درکار ہے۔ لیکن چونکہ انسان تمام موجودات عالم پر فضیلت رکھتا ہے لہٰذا اس کا محبوب مثل دیگر موجودات کے مختلف ہونا ضروری ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جبکہ انسان حقیقت محبت کو پہچانے اور چونکہ حقیقت محبت کا پہچاننا انتہائی دشوار ہے لہٰذا اس بات کی بھی ضرورت لاحق ہوئی کہ اس کا بہترین مظہر یا نمونہ قدرت کی جانب سے اہل عالم کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ اس مظہر محبت کی تاسی اور پیروی کر کے انسان نقطہ کمال تک پہونچ سکے اور دیگر موجودات سے مرتبہ امتیاز حاصل کر سکے۔

قدرت نے اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور تمام مکارم اخلاق کا مظہر انہیں حضرات کو قرار دیا۔ لیکن ان مکارم اخلاق یا اجناس فضائل میں سے کسی ایک صفت کو کسی ایک میں نمایاں کیا۔ اگر کسی فرد کو مظہر شجاعت بنایا تو دوسری فرد کو مظہر عدالت اور اگر ایک فرد کو مظہر حکمت بنایا تو دوسری فرد کو مظہر عفت و صداقت وغیرہ۔

اہل انصاف اگر تاریخ عالم پر نظر غائر ڈالیں گے اور تمام مہتم بالشان شخصیتوں کے حالات کا اندازہ کریں گے تو ان کو عالم کے پیشواؤں میں صرف چند شخصیتیں محبت کے لحاظ سے اعلیٰ ترین نظر آئیں گی۔

اور ان ممتاز اور منتخب اشخاص میں اگر کوئی ذات منتخب ہو سکے گی تو وہ قوت بازوئے حسینؑ یعنی حضرت عباسؑ ابن علی ابن ابی طالب کی ذات ہو گی۔ حضرت عباسؑ نے میدان محبت میں جو کارہائے نمایاں کر کے دکھائے ہیں اس کی مثال عالم کی تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس مظہر محبت و وفا کے تاریخی واقعات بہ تفصیل تحریر کروں مگر یہ کام اتنا دشوار ہے جتنا کہ حضرت عباسؑ کی شخصیت کی کما حقہ معرفت۔ بہر حال کچھ لکھنا اپنے جذبات کے اظہار کے لئے ضروری سمجھتا ہوں۔

قبل اس کے کہ میں اس پیکر محبت اور مجسمۂ وفا کے واقعات تحریر کروں ضروری سمجھتا ہوں کہ اتنا اور عرض کر دوں کہ محبت کا وفا سے کیا تعلق ہے۔

فلسفۂ اخلاق کے اعتبار سے محبت کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ اخلاق ناصری کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے۔

(۱) اگر روحانیت قوی باشد میلان او بجانب خیر محض و بمطالع جلال خیر محض گردد۔ و اگر در انسان مادیت مستولی باشد محبت او بہ لذات دنیوی تعلق می شود۔ (ترجمہ) "اگر کسی شخص میں روحانیت قوی ہوتی ہے تو اس کا میلان طبیعت صرف نیکی کی طرف ہوتا ہے اور وہ صرف جلالت و عظمت خیر محض کا مطالعہ کیا کرتا ہے اور اگر کسی شخص میں مادیت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کی محبت کا تعلق لذات دنیوی سے ہوا کرتا ہے۔"

محبت روحانی و مادی کا فرق

اس مختصر تمہید کے بعد ہر ایک انسان اس کا نتیجہ بآسانی نکال سکتا ہے اور وہ یہ کہ جب مادیت کا غلبہ صرف لذات دنیوی تک محبت کو محدود بناتا ہے تو اس قسم کی محبت کا باقی رہنا بھی اسی وقت تک ممکن رہے گا جب تک کہ وہ لذت دنیوی جو سبب محبت ہوئی ہے پوری نہ ہو جائے مگر بخلاف محبت روحانی کے یہ محبت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ روحانیت باقی ہے اور اس روحانی محبت کے سبب سے اگر انسان کو مصائب اور تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑے گا تو بھی انسان کو بوجہ خلوص محبت کے لذت روحانی ہی حاصل ہوگی اور جتنے مصائب بڑھتے جائیں گے اسی قدر محبت میں قوت پیدا ہوتی جائے گی یہاں تک کہ مصائب اور تکالیف کی لذت کو انسان لذت محبت محسوس کرنے لگے گا بس اسی درجہ محبت کا نام وفا ہے۔

محبت سے وفا کا تعلق

اگر دعویدار محبت مصائب اور تکالیف کے مقابلے میں جی ہار گیا تو وہ بے وفا ہے اگر مصائب اور تکالیف کے اضافہ کے ساتھ محبت میں بھی قوت اور ترقی پیدا ہوتی گئی تو یہ وفا ہے۔ چنانچہ فلسفہ میں بھی وفا کی تعریف یہی کی گئی ہے۔

تعریف وفا

وفا کہ در اجناس تحت عدالت است آں بود کہ از التزام طریق مواسات و معاونت تجاوز جائز نہ شمرد۔ (ترجمہ) وفا فضیلت عدالت کے تحت میں ایک فضیلت ہے اور اور اس کی تعریف یہ ہے کہ غمخواری اور حمایت و مدد کا طریقہ انسان اپنے لئے لازم کرے اور اس طریقہ مواسات و معاونت سے تجاوز کرنے کو جائز ہی نہ سمجھے۔

اس تعریف وفا کی بنا پر لازم ہوتا ہے کہ اگرچہ محبت کرنے والے پر مصیبتوں کے پہاڑ ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑیں لیکن جادۂ محبت سے اس کے قدم ڈگنے نہ پائیں اور اس کے عزم معاونت و مواسات میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔

محبت و وفا کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھ لینے کے بعد محبت کی عظمت اور جلالت اور بھی ظاہر ہوگی اور یہ بھی واضح ہوگیا

کو محبت کے معنی میں وفا کے معنی بھی مضمر ہیں۔ یہی تو وجہ تھی کہ خالق عالم نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ وہ اُمت سے صرف محبت ہی کو معاوضہ رسالت میں طلب کریں۔ چنانچہ رسولؐ اللہ نے بحکم رب العزت محبت و مودت اقربا طلب کی تھی اور یوں سوال فرمایا تھا۔ لااسئلکم علیہ اجراً الاالمودۃ فی القربیٰ۔ (ترجمہ) میں تم سے سوال نہیں کرتا ہوں مگر یہ کہ (اے میری اُمت والو!) میری آل سے محبت کرتے رہنا۔ مگر افسوس کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اُمتِ رسولؐ نے باوجود دعوئے محبت وفا کو فراموش کر دیا۔ اگر اُمت محمدیہ محبت کے ساتھ وفاداری کو بھی یاد رکھتی تو نہ اسلام کے بہتر فرقے ہوتے اور نہ واقعہ کربلا ہی پیش آتا۔

حضرت عباسؑ مظہر محبت و وفا ہیں } بہر حال محبت و وفا اساس نظام عالم ہے اور تمام مذاہب کی روح رواں بھی یہی محبت و وفا ہے۔ ہر مذہب کی تاریخ میں کم و بیش ایسے واقعات ملتے ہیں جو اہل مذاہب کی رہنمائی کرتے ہیں چنانچہ ہمارے ہندوستان میں بھی ایک تاریخی واقعہ مشہور ہے اور اس واقعہ محبت و وفا کی یادگار ہر سال اہل ہنود بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔ یہ واقعہ رام چندر جی اور سیتا اور راون کا ہے۔ چونکہ میں اس واقعہ کا مقابلہ نظارہ کے سابقہ "ابوالفضل العباسؑ نمبر" تفصیل سے کر چکا ہوں بایں وجہ اس کی تکرار کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر برادران وطن یعنی اہل ہنود واقعہ کربلا کے ہیرو کے حالات پر غور فرمائیں گے تو ان کو خود وفائے حضرت عباسؑ کی اہمیت ثابت ہو جائے گی۔ درحقیقت حضرت عباسؑ نے وہ مظاہرہ محبت و وفا کیا ہے کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ اگر تمام اقوام عالم اور مذاہب عالم اس مظہر محبت و وفا کی زندگی سے سبق لینا چاہیں تو ان کو پھر کسی دوسرے واقعہ وفا کی احتیاج نہ ہو۔ بیشک خداوند عالم نے حضرت عباسؑ کو مظہر محبت و وفا بنایا تھا اور وہ اس لئے کہ اہل عالم اس نمونہ وفا کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیکن اور برکات محبت و وفا سے فیض یاب و مستفید ہوتے رہیں۔

واقعات } ناظرین مضمون مندرجہ بالا کی تمہید کی روشنی میں وفائے عباسؑ کو ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) دوست و دشمن، مسلم و غیر مسلم ہر ایک طبقے کا انسان اس امر کا اقرار کر چکا ہے کہ واقعہ کربلا مظلومیت اور مصائب کے لحاظ سے عالم کے تمام واقعات سے بالا تر ہے۔

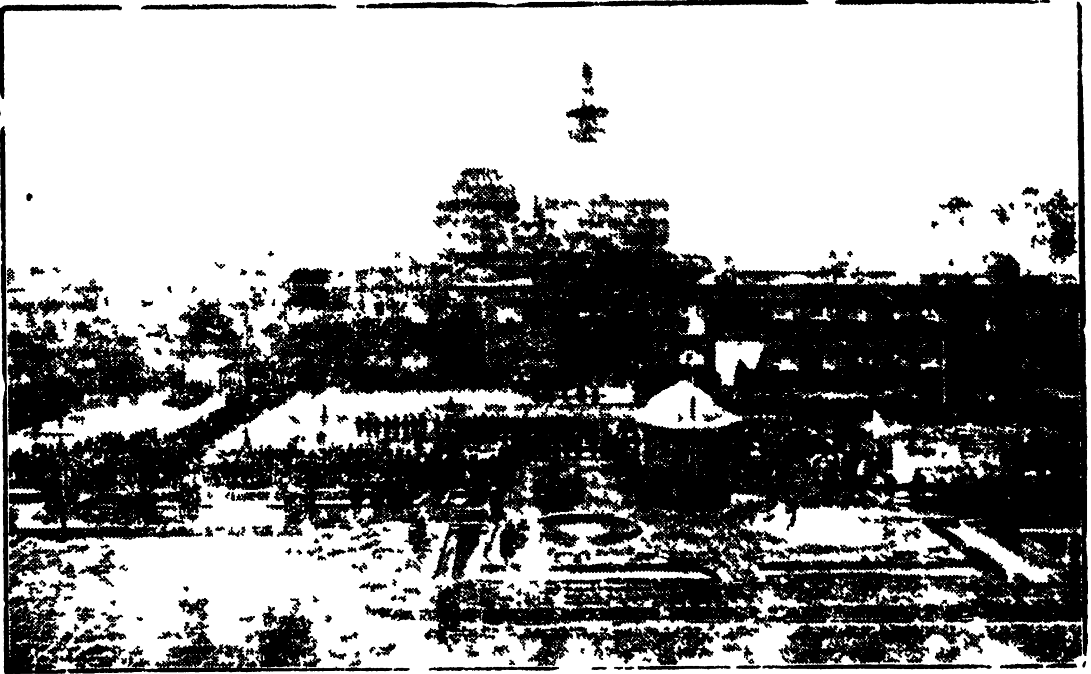
(۲) حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کے بطن سے دو فرزند تھے ایک امام حسنؑ اور دوسرے امام حسینؑ۔ حضرت علیؑ نے حیات فاطمہ میں دوسرا عقد نہیں کیا۔ بعد وفات فاطمہ حضرت علیؑ نے حضرت

ام البنین سے عقد فرمایا اور ان کے بطن سے چار فرزند ہوئے۔ جب حضرت علیؑ کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنی سب اولاد کو جمع فرمایا اور سب کو حضرت امام حسنؑ کے سپرد کر کے وصیت فرمائی لیکن حضرت عباسؑ کا ہاتھ حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ میں نہیں دیا اور نہ ان کے بارے میں کچھ وصیت فرمائی۔ حضرت ام البنین نے یہ سب کچھ دیکھا۔ بوجہ ادب کچھ عرض تو نہ کر سکیں مگر آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ حضرت علیؑ نے آپ کو روتا ہوا دیکھ لیا۔ دریافت فرمایا کہ آخر اس رونے کا کیا سبب ہے حضرت ام البنین نے دست بستہ عرض کی "مولا! میرے عباسؑ سے کیا خطا ایسی سرزد ہو گئی ہے کہ آپ نے اس کو امام حسینؑ کے سپرد نہیں فرمایا" یہ سنکر حضرت علیؑ رونے لگے اور فرمایا کہ "ام البنین! تم عباسؑ کی ماں ہو۔ تم کو عباس سے بہت محبت ہے میں اسی فکر میں تھا کہ مبادا اس وقت مصیبت میں شائد تم عباس کی مصیبت کے سننے کی متحمل نہ ہو سکو۔ اب تم نے خود میرے تردد کو دور کر دیا سنو! میرا عباسؑ میرے حسینؑ کا غلام ہے اور میرے حسینؑ کا ناصر ہو گا۔ آپ نے یہ فرما کر حضرت عباسؑ کو قریب بلایا۔ سینے سے لگایا اور امام حسینؑ کے ہاتھ میں عباسؑ کا ہاتھ دیا اور فرمایا کہ بیٹا عباس! تم میرے بیٹے ہو اور حسین رسول اللہ کا بیٹا ہے۔ اے عباسؑ میں تم کو حسینؑ کے سپرد کرتا ہوں تم حسینؑ کی خدمت کو اسی طرح اپنا شرف سمجھنا جس طرح میں نے رسولؐ کی خدمت کو اپنا شرف سمجھا" حضرت علیؑ یہ فرما کر رونے لگے اور زخم سر کی تکلیف سے بیہوش ہو گئے۔

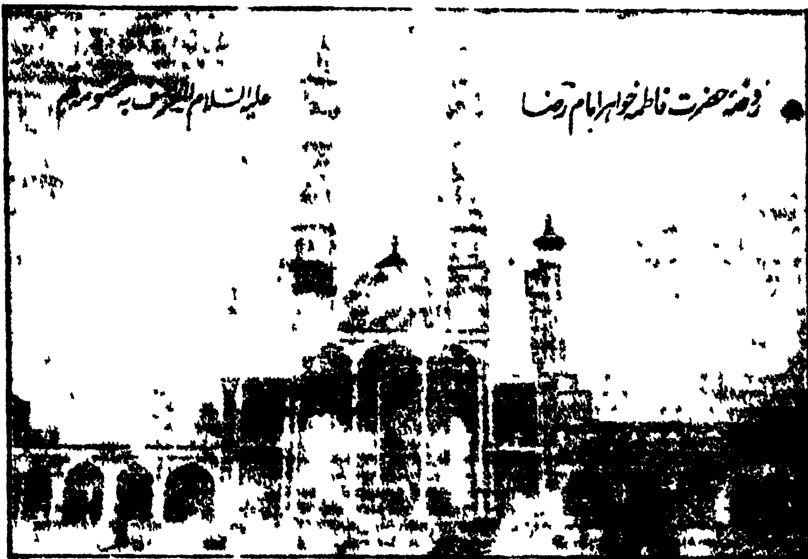
حضرت عباسؑ اس وقت کم سن تھے۔ آپ نے پدر بزرگوار کے یہ الفاظ سنے ممکن ہے کہ اس واقعہ سے قبل عباس امام حسین کو بھائی کہتے ہوں مگر اس واقعہ کے بعد سے ہمیشہ حضرت عباسؑ امام حسین کو آقا ہی کہتے رہے اور ہمیشہ خدمت امام حسینؑ میں مصروف رہے۔

(۳) ۶۰ھ میں امام حسینؑ مدینۂ منورہ میں اپنے نانا کے روضۂ اقدس کی مجاوری ہدایت خلق اور عبادت خالق میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ یزید کا خط والی مدینہ کے پاس آیا کہ حسینؑ سے یزید کے لئے بیعت لی جائے اور اگر حسینؑ یزید کی بیعت کرنے پر راضی نہ ہوں تو ان کا سر قلم کر کے دربار یزید میں بھیج دیا جائے۔ امام حسینؑ نے جب دیکھا کہ میری بیعت سے یزید فاسق کا مطلب صرف میرے نانا کے دین کو مٹانا ہے تو آپ نے وطن کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا اور سامان سفر میں مصروف ہو گئے۔ اعزا اقارب دوست احباب اور نانا کے کلمہ گو مسلمان وقتاً فوقتاً آکر مشورہ دینے لگے کہ اس وقت سفر کرنا اور اپنے وطن کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے اور ہم سب آپ کی مدد کے لئے یہاں موجود ہیں۔ مگر امام حسینؑ نے جواب میں فرمایا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم لوگ نہیں دیکھتے۔ آپ نے حضرت عباسؑ کو حکم دیا کہ سامان سفر کریں۔ حضرت عباسؑ نے سامان سفر کیا۔ حکم ہوا کہ اہلبیت رسولؐ کو بھی سوار کیا

بھائی اور بہن کی آرام گاہیں



روضہ غریب الغرباء امام رضا علیہ السلام





حضرت باقر العلوم طاب ثراہ



حضرت قدوۃ العلماء طاب ثراہ



حضرت ظہور الملۃ طاب ثراہ



حضرت نجم العلماء طاب ثراہ



جائے اگرچہ بعض قریبی اعزا نے عورتوں اور بچوں کو لے جانے سے روکا مگر حضرت عباسؑ نے حکم امام میں چون و چرا کرنے کو شان وفا کے خلاف سمجھا۔

۲۸ رجب ۶۰ھ کو حسینؑ کا قافلہ روانہ ہوا اور منزل بہ منزل عرب کی گرمی اور لون کے تکالیف اٹھاتا ہوا مکۂ معظمہ پہونچا۔ حضرت عباسؑ اثنائے سفر میں بچوں عورتوں اور رفقاء کی خدمت کرتے رہے لیکن کسی منزل میں بھی اپنی رائے زنی کو مناسب نہیں سمجھا۔ ذی الحجہ کا چاند مکہ میں دیکھا گیا اور اطراف ممالک اسلامیہ سے جوق جوق حج کے لئے خانہ کعبہ میں جمع ہونے لگے۔ امام حسینؑ خانہ خدا میں آئے تو پناہ لینے کے لئے تھے مگر جب آپ نے دیکھا کہ حاجیوں کے لباس میں یزید کے معین کردہ کچھ قاتل بھی موجود ہیں تو آپنے حرمت کعبہ کو اپنے خون بہنے سے برباد نہ ہونے کے خیال سے سفر کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ حضرت عباسؑ نے بے چون و چرا اسب مخدرات عصمت و طہارت کو سوار کرایا اور ۸ ذی الحجہ کو یہ قافلہ کوفہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ عرب کی گرمی لون کے تھپیڑے، غبار گرم کا اڑنا، پانی کی قلت، بچوں اور عورتوں کی ہمراہی۔ دشمنوں کا نرغہ، جان و عزت کا خوف اور یہ ناز پروردہ خاندان، چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ حتیٰ کہ حضرت علی اصغر ششماہہ کا ساتھ مگر حضرت عباسؑ نے اپنے اوپر بھوک و پیاس کی تکالیف اٹھاتے ہوئے ایسا اہتمام و انتظام کیا کہ حسینؑ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی ان میں ضائع ہوتا تو درکنار بیمار بھی نہ ہوا۔ اثنائے سفر میں تمازت آفتاب سے پریشان ہوکر ویرانہ میں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا کہ حر ابن یزید ریاحی ایک ہزار سوار لیکر آ پہونچا۔ یہ ایک ہزار کا لشکر ایسا پیاسا تھا کہ حواس تک درست نہ تھے اور گھوڑوں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں امام حسینؑ نے جب حر کو دیکھا تو فرمایا کہ "علی یا اتی" ہمارا دوست ہوکر آیا ہے یا دشمن حر نے جواب دیا کہ دشمن کیونکہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو کہیں جانے نہ دوں اور اسی بے درگیاہ ویرانہ میں روک لوں مگر اس وقت بہت پیاسا ہوں کچھ پانی ہو تو پلا دیجئے حضرت عباسؑ نے بچوں کے خیال سے پانی کا معقول انتظام کر لیا تھا۔ امام نے حکم دیا کہ حر کے لشکر کو پانی پلا دیا جائے۔ حضرت عباسؑ نے حکم کی تعمیل کی اور ایک ہزار سپاہیوں کو پانی پلا دیا۔ اس کے بعد دست بستہ عرض کی "آقا! بچوں کا ۔۔۔ ہے اب کیا حکم ہے" حسینؑ نے فرمایا کہ بھائی عباسؑ حر کے لشکر کے گھوڑے پیاسے ہیں حسینؑ سے ان جانوروں کی پیاس نہیں دیکھی جاتی۔ حضرت عباسؑ نے حکم کی تعمیل کی اور کل پانی گھوڑوں کو پلا دیا۔ حضرت عباسؑ خود پیاسے رہتے تھے مگر پانی کی حفاظت اطفال حسینؑ کے لئے کرتے تھے مگر اس موقع پر بھی اس مجسمہ وفا نے عذر نہ کیا اور حکم بے چون و چرا تعمیل کی۔

سفر حسینؑ ختم ہوا اور حضرت عباسؑ نے نہر فرات کے کنارے خیام اہل حرم نصب فرمائے۔ دوسرے روز فوج مخالف نے کہا کہ یزید کا حکم ہے کہ حسینؑ کے خیمے

کنارۂ فرات پر نصب نہ ہوں بلکہ خشک زمین پر نصب کی جائیں۔ حضرت عباس جیسا بہادر اور جری بھلا اس کو کب گوارا کر سکتا تھا کہ وہ یہ حقارت آمیز طریقے دیکھے۔

اس حکم کو سنتے ہی حضرت عباسؑ کے تیور بدل گئے اور تلوار میان سے کھینچ لی اور عرض کیا کہ مولا! حکم دیجیے کہ ان ملاعین کو تہ تیغ کر ڈالوں۔ یہ دشمنانِ خدا و رسولؐ تو اپنے خیام نہر کی ترائی میں لگائیں اور ہم کو یہاں سے ہٹنے کا حکم دیں۔

امام حسینؑ نے اس شیرِ خدا کے شیر کے تیور دیکھے اور پاس بلا کر نہ معلوم کان میں کیا کہہ دیا کہ اب حضرت عباس نے تلوار میان میں کر لی اور خود خیموں کے ہٹانے میں مصروف ہو گئے اور جس جگہ حسینؑ نے حکم دیا خیام کو نصب کیا۔ اہلِ انصاف خود غور فرماتے جائیں کہ عباسؑ کے لئے محبت و وفا کی منزلیں دم بدم کٹھن ہوتی جاتی ہیں دل میں تو جوشِ شجاعت موجزن ہے اور حمیتِ ہاشمی میں جوش پیدا ہو چکا ہے مگر حکمِ امام کے سامنے سر جھکا ہوا ہے۔ نویں محرم کو بوقتِ سہ پہر یکایک فوجِ مخالف میں جس کی تعداد کم از کم بیس ہزار تھی نقارے بجنے لگتے ہیں۔ زمینِ کربلا نقاروں کی گونج اور تلواروں کی جھنکاروں سے گونج اٹھتی ہے۔ امام حسینؑ حضرت عباسؑ کو اپنے پاس بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بھیا عباسؑ! دیکھو تو یہ ہنگامہ کیا ہے۔

آپ جواب فرماتے ہیں کہ آقا فوجِ مخالف نے حملہ کیا ہے اور دشمن قریب بڑھتے چلے آتے ہیں۔

امام نے فرمایا کہ بھائی ان ملاعین سے کہہ دو کہ آج کی رات ہم کو مہلت دیں اور اے بھائی عباسؑ اگر تم سے ممکن ہو تو اس حملے کو روک دو۔

صاحبانِ فہم خود امام کے اس قول سے اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حسینؑ کو عباسؑ کی شجاعت کا کتنا اندازہ تھا اور حسینؑ کو عباس پر کس قدر اعتماد تھا۔ امام حسینؑ یقیناً جانتے تھے کہ عباسؑ کے صرف للکار دینے سے فوجِ مخالف کے چھکے چھوٹ جائیں گے جب ہی تو آپ نے تنہا حضرت عباسؑ کو تیس ہزار فوج کے حملے کے روکنے کا حکم دیا۔ بہرحال جب عباسؑ مقابلے میں تشریف لے گئے اور للکار کر فرمایا۔ "اے دشمنانِ خدا و رسولؐ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ دیکھو خبردار اب قدم آگے نہ بڑھے"۔

یہ فرما کر حضرت عباسؑ نے تلوار علم کر لی۔ فوجِ مخالف کے سپہ سالار نے کہا کہ یزید کا حکم ابھی آیا ہے کہ آج ہی حسینؑ پر حملہ کیا جائے اس لئے ہم حملے کے لئے مجبور ہیں۔

حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ "میرے آقا کا حکم ہے کہ آج جنگ پر آمادہ نہ ہو کل دیکھا جائے گا۔ آج کی رات ہم سب خدا کی عبادت کرنا چاہتے ہیں"۔

بہرحال حضرت عباسؑ کے رعب و جلال نے فوجِ مخالف کو پلٹا دیا اور شبِ عاشورہ عبادت کے لئے مل گئی۔

امام حسینؑ نے اصحاب کو تاریکی شب میں جمع فرمایا اور خطبہ بیان کر کے فرمایا کہ اے دوستو یزید میرا دشمن ہے

تم کیوں اپنی جانیں دینے پر کمربستہ ہو۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم اس تاریکی شب میں میرے پاس سے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ یہ فرما کر امام حسینؑ نے شمع کو گل کر دیا۔ حضرت عباسؑ نے جب یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ "آقا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم غلام آپ سے جدا ہو جائیں۔ ہم اپنی جانیں آپ پر قربان کریں گے اور آپ پر آنچ بھی نہ آنے دیں گے۔ حضرت عباسؑ یہ فرما چکے تو اصحاب حسین نے عرض کیا کہ ہم اگر ستر مرتبہ شہید کئے جائیں اور پھر زندہ کئے جائیں تو بھی ہم اپنی جانیں آپ ہی پر قربان کریں گے۔"

مورخین کا اتفاق ہے کہ اس مجمع میں جان نثاری کا اظہار سب سے پہلے حضرت عباسؑ نے کیا اور اس کے بعد رفقائے حسینؑ نے۔

شب عاشور رہے اصحاب و انصار حسینی عبادت میں مصروف ہیں حضرت عباسؑ خیام حسینی کے گرد طلایہ پھر رہے ہیں کہ آپ کا گزر ایک خیمے کی جانب ہوا آپ نے رونے کی آواز سنی۔ پردہ اٹھا کر دیکھا تو آپ کی بہن حضرت ام کلثوم رو رہی ہیں آپ اندر تشریف لے گئے۔ دریافت فرمایا کہ بہن کیوں روتی ہو۔ حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا کہ بھیا عباس۔ سب اہل بیت رسولؐ نے کل حسین پر نثار کرنے کیلئے اپنے اپنے بچوں کو سنوارا ہے۔ کل سب اپنی اپنی اولاد کو حسین کا فدیہ کریں گے۔ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ سوچتی ہوں کہ میں اپنے ماں جائے پر کس کو قربان کروں۔ حضرت عباسؑ نے یہ سن کر اور اپنے سر کو بہن کے قدموں پر رکھ کر فرمایا کہ بہن! یہ بھائی حاضر ہے آپ مجھ کو حسینؑ کا فدیہ کریں اور مجھکو اجازت جنگ دلوائیں۔ جب حضرت عباسؑ حضرت ام کلثوم کو تسلی دے کر واپس ہوئے تو حضرت زینبؑ کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت زینب خواہر امام حسین نے اپنے دونوں صاحبزادوں عونؑ اور محمدؑ کو آراستہ کر رکھا تھا اور ان کو نصیحت فرما رہی تھیں کہ بیٹا کل سب سے پہلے تم میرے بھائی پر قربان ہونا۔ آپ نے جب حضرت عباسؑ کو دیکھا تو فرمایا۔ بھیا عباسؑ! تم سے ہم سب کو بہت ڈھارس ہے بھیا عباسؑ کل میرے بچوں کا خیال رکھنا۔ حضرت عباسؑ نے دست بستہ عرض کی کہ بہن! عباسؑ تو حسینؑ کا غلام ہے یہ کب ممکن ہے کہ عباسؑ کی زندگی میں حسینؑ کو کوئی نقصان پہنچے بچہ دیکھ سکے۔ آپ مطمئن رہیں۔ جب تک عباسؑ کی زندگی میں کوئی حسینؑ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا ہے:

صبح کا شور فوج مخالف میں نقارے بجنے لگے ان حالات میں راہ خدا نے دوگانہ صبح باجماعت ادا کیا۔ حضرت عباسؑ کو قوی امید تھی کہ حسینؑ سب سے پہلے ان کو لڑنے کی اجازت دیں گے۔ ہاتھ باندھ کر سامنے آئے اور عرض کی کہ مولا! غلام کو اجازت جنگ مرحمت فرمائیے۔ امام نے فرمایا کہ بھائی عباس تم تو میرے علمدار فوج ہو تم سے تو مجھ کو تقویت ہے تم ابھی

نہ جاؤ۔ عباسؑ جوشِ شجاعت میں آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور تصویرِ اطاعت بن گئے اور خاموش رہے۔

عمر ابن سعد سپہ سالار فوج یزید آگے بڑھکر آیا اور کہا کہ اے عباس! تم کو اماں دی جاتی ہے، تم یقین کرلو کہ حسینؑ کا کوئی ساتھی اب نہ بچے گا، تم ہماری طرف چلے آؤ۔ حضرت عباسؑ نے جب ان جملوں کو سُنا غصہ سے کانپنے لگے اور فرمایا کہ اے ملعون تجھ پر اور تیری اس امان پر لعنت کہ تو مجھ کو امان دیتا ہے اور اپنے رسولؐ کے نواسے کے قتل پر آمادہ ہے خدا تجھ پر اور تیرے امیر پر لعنت کرے۔

بہرحال امام حسینؑ کے اقربا نے باری باری اجازت جہاد طلب کی اور ہر مجاہد کے ساتھ حضرت عباس ہاتھ جوڑے ہوئے آئے اور حالت آپ کی یہ تھی کہ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور آپ چاہتے تھے کہ امام اجازت مرحمت فرمادیں۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچے اجازت لینے کے لئے امام کے سامنے حاضر ہوئے حضرت عباسؑ نے خیال فرمایا کہ شائد حسینؑ اب تو مجھکو اجازت دیدیں گے پھر دست بستہ عرض کی مگر جواب میں حسینؑ نے فرمایا کہ بھیا عباسؑ عونؑ کو یا محمدؑ کو یا قاسمؑ کو گھوڑے پر سوار کردو۔ یہ پیکر وفا اپنے آنکھوں کے تاروں، بھانجے، بھتیجوں کو مرنے کے لئے گھوڑے پر سوار کرکے بھیج رہا تھا مگر حکم امام سے مجبور تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ عباسؑ کے لئے جنگ کرکے شہید ہوجانا اس امر سے سہل تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو خود سوار کرکے مرنے کے لئے بھیجیں مگر کیا کریں کہ حکم امام کا ماننا ہی شانِ محبت و وفا تھی۔

مختصر یہ کہ اعزا کے بعد انصار شہید ہونے کے لئے جانے لگے اور ہر جانباز کے ساتھ اسی طرح عباس تمنائے شہادت میں آتے تھے اور روک دیئے جاتے تھے حتیٰ کہ اب بجز علی اکبرؑ شبیہ پیغمبرؐ کے کوئی نہ رہا اور علی اکبرؑ بھی بوڑھے باپ کے سامنے کفن پہن کر اجازت میدان جنگ لینے کے لئے حاضر ہو گئے۔ یہ وقت حضرت عباسؑ پر بہت سخت تھا۔ اب حضرت عباسؑ سے ضبط نہ ہوسکا۔ حسینؑ کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کی کہ مولا! اب عباسؑ بے موت مرا جاتا ہے۔ حضور، عباس آپ کا غلام ہے، پھر عباس اپنی آنکھوں سے یہ کیونکر دیکھے کہ آقا زادہ اور شہزادہ تو مرنے جائے اور غلام دیکھتا رہے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت عباسؑ اب بھی اتنی جسارت اجازت طلبی میں نہ کرتے مگر اب عباس مجبور تھے اور وہ اس لئے کہ عباسؑ دیکھ رہے تھے کہ علی اکبرؑ رفتار میں گفتار میں شکل میں اور شباہت میں رسولؐ اللہ سے مشابہ ہیں، اور امام حسینؑ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ بیشک امامؑ کے بعد اگر زندہ رہ گئے تو یہی امام ہوں گے لہٰذا عباسؑ کا تو فریضہ ہی یہ تھا کہ وہ امامت کی حفاظت کریں اور اپنے کو شمع امامت پر پروانہ وار نثار کریں۔ ان حالات

سے تحت میں بھلا عباس یہ کیونکر گوارا کرسکتے تھے کہ علی اکبر عباس کے نظروں کے سامنے شہید ہو جائیں۔

مختصر یہ کہ امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کی غرض کو سمجھ لیا اور عباسؑ کو اجازت جہاد تو نہ دی مگر اتنا فرمایا کہ بھیا عباسؑ! دیکھو بچے بہت پیاسے ہیں اگر ہو سکے تو تھوڑا پانی بچوں کے لئے لادو۔ حضرت عباسؑ کے دل میں تو جوش شجاعت کا سمندر موجزن تھا جب آپ نے یہ سُنا کہ اب بھی جنگ کی اجازت نہیں ملی تو دل کے ارمان دل ہی میں فنا ہو گئے آپ نے اطاعت حکم میں ایک مشک لی اور فرات کا رخ کیا۔ اگرچہ عباسؑ کو تین دن کے بھوک اور پیاس اور ضبط جوش شجاعت اور داعیہائے اقربا و انصار و رفقا نے کمزور کر دیا تھا مگر پھر بھی شجاعت عباس کا منظر دیکھنا ہو تو دیکھ لو کہ ۵ ہزار نگہبان فرات کو چشم زدن میں مار بھگایا اور گھوڑے کو فرات میں ڈال کر دکھا دیا کہ شیر دریا پر یوں قبضہ کیا کرتے ہیں۔ خشک مشک کو تر کیا، پانی بھرا چلّو میں پانی اٹھایا اور یہ صرف اس لئے کہ اہل عالم گواہ رہیں کہ پانی پینے پر پوری قدرت تھی مگر چونکہ پانی پی لینا جبکہ آقا اور آقا کے بچوں کے پانی نہ پیا ہو شانِ محبت و وفا کے خلاف تھا آپ نے چلّو سے پانی پھینک دیا اور یہ فرمایا کہ عباس جبکہ حسینؑ کے بچے پیاسے تو تم پانی پی کر کیا کرو گے۔ پانی نہیں پیا اور مشک بھر کر آپ واپس ہوئے۔ باوجود اس کے کہ ایک ہاتھ میں علم تھا دوسرے ہاتھ میں سپر اور شانہ پر مشک، اللہ یا بندیاں پر بھی دلاوران فوج یزیدی میں سے کسی کی ہمت نہ تھی کہ سامنے آکر دو چار ہوتا۔ آپ مشک لئے گھوڑے کو مہمیز کئے چلے آرہے تھے کہ کھجور کے درخت کی آڑ لے کر ایک شقی نے وار کیا دست راست قلم ہو گیا مگر آپ نے علم بائیں ہاتھ سے روکا اور مشک کو سینے سے لگا لیا اور آپ حملہ کرتے ہوئے بڑھتے رہے کہ پھر ایک ملعون نے ایک وار بائیں ہاتھ پر کیا وہ ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا۔ اب اس شیر کے لئے گھوڑے پر سنبھلنا بظاہر مشکل تھا مگر آپ نے دانتوں سے علم کے تسمے کو پکڑا اور سینے سے مشک کو لگا لیا اور بڑھتے رہے۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایک دشمن خدا نے سر پر ایک گرز کا وار کیا اور ایک شقی نے ایک تیر مشک پر لگایا۔ اب مشک کا پانی اور عباس کا خون ساتھ مل کر بہنے لگا گھوڑے پر سنبھلنا اب ناممکن تھا۔ آپ زمین پر گرے اور آواز دی یا مولا ادرکنی۔ امام حسینؑ گھوڑے کو سرپٹ لیکر عباس کے سرہانے پہونچے دیکھا کہ ۳۴ سال کا بہادر بھائی خون کے دریا میں نہایا ہوا ہے۔ آپ زمین پر بیٹھ گئے عباس کا سر زانو پر رکھ لیا۔ حضرت عباسؑ نے جو امام کی خوشبو پائی، رمق جان باقی تھی عرض کی مولا غلام کے آنکھ سے خون صاف کر دیجئے۔ امام حسینؑ نے خون صاف کیا۔ عباسؑ نے مسکراتے ہوئے حسینؑ کو دیکھا اور عرض کی کہ آج تک غلام نے حضور سے کوئی فرمائش نہیں کی لیکن آج ایک التجا ہے اور وہ یہ کہ حضور غلام کی میت

اٹھا کر خیمے تک نہ لے جائیں ۔

ناظرین غور فرمائیں تو حقیقتِ وصیت عباسؑ ظاہر ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عباسؑ نے کٹھن سے کٹھن منزل میں محبت و وفا کا بہترین نمونہ پیش کیا اور کبھی حکمِ حسینؑ میں چون وچرا نہ کی اور نہ کوئی التجا ر بجز التجا رمرگ کی مگر یہ آخری وقت میں مسکرانا اور میت نہ لیجانے کی وصیت کرنا کیا معنی رکھتا ہے ؟ -

بات یہ تھی کہ حضرت عباسؑ مظہر محبت و وفا تھے اور تصویر وفا کے نقش و نگار کو اپنے خون کے رنگ سے رنگین و خوشنما بنا رہے تھے لہذا آپ نے یہ نہیں چاہا کہ وقت آخر دامن وفا پر یہ داغ آجائے کہ غلام کی میت کو آقا نے خود اٹھایا اور اگر حضرت عباسؑ یہ وصیت نہ فرماتے اور حسینؑ میت عباسؑ دوشِ مبارک پر اٹھا کر خود لے جاتے تو تکمیل تصویر وفا قیامت تک نہ ہو سکتی ۔

بہر حال امامؑ نے میت اٹھا کر نہ لے جانے کا وعدہ فرمایا اور حضرت عباسؑ بھائی کی آغوش میں مسکراتے ہوئے جنت کو سدھارے ؎

بدلا نفس کے آمد و شد کا جو انتظام
کلمہ یہ داستان وفا ہو گئی تمام

(یونس زیدپوری)

سلام

از جناب فصیح الفصحا ارادہ مرزا تیقن جانشین رشید عمدۃ الشعرا جناب سید سجاد حسین صاحب شدید

یہ ممکنات میں واجب کی جستجو کیا ہے
غلط ہے سوچنا ہی یہ مرا کہ تو کیا ہے

خدا کے ہونے نہ ہونے میں گفتگو کیا ہے
نگاہِ عقل سے دیکھو یہ رو برو کیا ہے

جو پوچھا شاہ نے عباسؑ کو علم دیدوں
بہن پکاری بھلا اس میں گفتگو کیا ہے

میں ہنس کے بولا جو پوچھا گیا امامت کو
فرشتوں غور سے دیکھو یہ رُو برو کیا ہے

غمِ حسینؑ میں دل خوں نہ ہو تو دل ہی نہیں
جو اشک بن کے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

نبیؐ کی چال ہے رفتار اکبرِ مہ رو
خدا کی شان ہے انداز گفتگو کیا ہے

گہر کی اصل ہے پانی اور اصل اشک لہو
پھر اس کے آگے بھلا اس کی آبرو کیا ہے

علیؑ کو رب جو میں کہتا ہوں ربت کہتا ہوں
قرآن پاک سے خود پوچھ لو غلو کیا ہے

بنا ہے اشک عزا جب ہوا ہے قابل قدر
وگرنہ پانی سے قطرہ کی آبرو کیا ہے

بھٹکتے مثل نصیری سکے جوشِ الفت میں
جو تو نہ خود یہ بتاتا ہمیں کہ تو کیا ہے

نہ ذبح کرسکے دیں کو خدا سے ڈر کے شمر
خبر یہی ہے کہ قریب رگِ گلو کیا ہے

مرثیہ کے چند بند

از چشم و چراغ انیس جناب لڈن صاحب فائز مدظلہ

جنابِ عباسؑ کی آمد

ہے ادھر آمدِ دلبندِ شہ قلعہ کشا
پڑ گیا ہے جگرِ گاوِ زمیں میں لرزا
ہے جو اونچا اسدِ حق کے علم کا پنجا
خوف سے زرد ہے خورشید مبیں کا چہرا
دور اتنا ہے مگر ڈرتا ہے تھراتا ہے
جوڑ کر ہاتھ شعاعوں کے ہٹا جاتا ہے

شور برپا ہے یہی شان سواری دیکھو
آج جنگل میں چلی بادِ بہاری دیکھو
دیکھ لو قدرتِ حق رحمت باری دیکھو
خاک پر نور کا دریا ہوا جاری دیکھو
دوش پر لے کے جری مشک و علم آتا ہے
نور برساتا ہوا ابرِ کرم آتا ہے

زرفشاں پنجۂ رایت کا چمکنا دیکھو
چشم خورشید کا رہ رہ کے جھپکنا دیکھو
اوج پر اختر تاباں کا چمکنا دیکھو
قدم نہر میں کوثر کا چھلکنا دیکھو
کچھ عجب حسن ضیا باریاں دکھلاتی ہیں
نہریں کوثر کی شعاعیں سی نظر آتی ہیں

اس طرف نور فشاں ہے علم فتح و ظفر
ہے ادھر رخ سے عیاں شان جلال حیدر
ہاتھ قبضہ پہ جو رکھے ہوئے ہے وہ صفدر
اور بھی ہو گئے ہیں غیظ میں ترچھے تیور
چشم و ابرو کا نہ کیوں ڈر ہو ستمگاروں کو
دیکھو دوش پہ رکھی ہوئی تلواروں کو

اس طرف خوف سے تھرا رہے تھے اہل سقر
دفعتہً آ گیا فوجوں کے مقابل صفدر
تھم کے فرمایا یہ غازی نے کہ اے لشکر شر
میں ہوں فرزند علی فاتح باب خیبر
سامنے آئے دل ایسا کسی گمراہ کا ہے
خون رگ رگ میں ہماری اسد اللہ کا ہے

تم نے حیدر کی سنی جو ہے وہ جرأت دیکھو
آئے تھے لاکھوں سے لڑنے کو ہیبت دیکھو
بھوکے پیاسے تن تنہا کی شجاعت دیکھو
میرے ہاتھوں سے یداللہ کی قوت دیکھو
جو فضیلت ہے وہ اپنے لئے آبائی ہے
یہ شجاعت ہمیں میراث میں ہاتھ آئی ہے

میرے دل میں نہیں اس وقت خیال پیکار
پانی لینے کو فقط آیا ہے یہ سینہ فگار
یہ سمجھ لو جو کیا تم نے ذرا بھی انکار
آگ برسائے گی دریا پہ ابھی یہ تلوار
صبر کیونکر ہو ولی ابن ولی پیاسے ہیں
مع اطفال حسین ابن علی پیاسے ہیں!

سنکے یہ شمر جفا جو نے دیا بڑھ کے جواب
پیجئے آ کے ابھی شوق سے حاضر ہے یہ آب
حاکم شام کا ہے سبط پیمبر پہ عتاب
غیر ممکن ہے کہ فرزند نبی ہوں سیراب
اب کوئی دم میں جدا شاہ کا سر ہووے گا
آب خنجر سے گلا خشک یہ تر ہووے گا

کہہ کے یہ واں سے ہٹا تھا وہ ابھی ظلم شعار
رن میں باجوں کے گرجنے لگے بادل یکبار
سیل کی طرح سے بڑھنے لگی فوج کفار
ہو گئی تیروں کی سقائے حرم پر بوچھار
تیغیں اونٹھا اونٹھا کے چمک سو دکھلانے لگیں
بجلیاں ابر میں ڈھالوں کی نظر آنے لگیں

سلام

از جناب شیدی امیر حسین متحیر لکھنوی!

لعیں شہ پر سنان و تیغ و خنجر لے کے آتے ہیں
زیادہ سنگ دل جو ہیں وہ پتھر لیکے آتے ہیں
نہ دیکھا ہو تو دیکھو کافرو زور ید اللہی!
بسر کی طرح حیدر باب خیبر لے کے آتے ہیں
مے حب علی کا ہے ہمارا قلب پیمانہ!
جو نہ کوثر سے وہ ساغر لے کے آتے ہیں
کبھی شمشیر سے ہشیار دریا سے نگہبانو!
علم اور مشک عباس دلاور لے کے آتے ہیں
جلاتی ہے جو ایذا پیاس کی بیحد کلیجوں کو
امام دیں کے بچے در پہ ساغر لے کے آتے ہیں
سکینہ دیر سے در پر کھڑی ہو منتظر اس کی
نشاں میرے چچا کا شاہ کیونکر لیکے آتے ہیں
کہاں عون و محمد نے یہ چلتے وقت زینب سے
خدا چاہے تو ابن سعد کا سر لے کے آتے ہیں
جناں کیا ہے اُسے فنگوں سے اپنے مول لے لینگے
پئے میت غم سرور کے گوہر لے کے آتے ہیں

کبھی بیٹھے کبھی اوٹھے کبھی دل تھام کے تڑپے
جواں کی لاش حضرت آن کیونکر لیکے آتے ہیں
کیا کانوں کو زخمی اور عریاں سر لعینوں نے
سکینہ کے گہر زینب کی چادر لیکے آتے ہیں
لگی ہے آگ گھر میں اور غش آیا ہے عابد کو
لعیں بیمار کا خیمہ سے بستر لے کے آتے ہیں
نبی کا گھر ستمگاروں نے بیدردی سے لوٹا ہے
جسے زہرا نے اوڑھا تھا وہ چادر لیکے آتے ہیں
گلے میں طوق بیڑی پاؤں میں عابد کے پہری ہو
سلاسل یہ کہیں بیمار و لاغر کے آتے ہیں
نہیں مشکل کی کچھ ہے فکر شہ کا معجزہ ہوگا
دعا متحیر تری روضہ سے حیدر لیکے آتے ہیں

سلام

از جناب کرشن بہاری لال صاحب نور

ندامت سے جھکائے ہوں گے جب ہم سب سر کو
ترس آجائے گا محشر میں ہم لوگوں پہ داور کو
نہ چومے کس طرح مہر نبوت پائے حیدر کو
بتوں سے پاک انھوں نے کردیا اللہ کے گھر کو
جو پہونچے رن میں شاہ دیں جانے کیا خیال آیا
کبھی لشکر کو دیکھا اور کبھی تیغ دو پیکر کو
نظر ہوگی رخ حیدر پہ جو مدت کی ترسی ہے
میں دیکھوں گا نہ حوروں کو نہ جنت کو نہ کوثر کو
ملیگا ہاتھ سے مشکلکشا کے جب مجھے ساغر
علی کا نام لے لے کر پیوں گا جام کوثر کو
تڑپ کر شاہ دیں رونے لگے بچہ کی حالت پر
لہو دیکھا اگلتے نور جب ہاتھوں پہ اصغر کو

افضل الشہداء

زانہ وصف آل عبا مولانا سید غالب حسین صاحب رضوی
عشروی آنریری سکریٹری آل انڈیا انجمن عقد بیوگان گونڈہ

کربلا کی گھمسان لڑائی میں جب دین اسلام یزیدیوں کے ہاتھوں بربادی و زوال سے ہمکنار ہونے لگا تو اُسکے حیار اور ناموس الٰہی کے تحفظ کی خاطر اصحاب سید الشہداء کے بڑے بڑے بہادر علیؑ علیؑ کہتے ہوے میدان عمل میں کود پڑے اگر ایک طرف روحانیت کے دھندے نقوش کو اُجاگر کر رہے تھے تو دوسری طرف انسانیت کو اُسکے سچے فرائض کی ادا کاری کی طرف تیزی سے متوجہ کرتے جاتے تھے۔ ان مفترض الاحترام کی مقدس صف میں افضل الشہداء حضرت عباس ابن علی ابن ابیطالب علیہم التحیۃ والثناء کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ کون عباسؑ وہی عباس جنکے جیالے پیکر میں مع ایثار و استقلال وفا و خلوص جرأت و شجاعت کی جیتی جاگتی تصویریں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ وفا پرستوں کی جانیں قربان ہوں احساس انسانیت کی ذمہ داری پر کہ چلو میں نہر کا سرد و خنک پانی پینے کے لیے بھی پھینک دیا جاتا ہے اور سوکھے ہوے ہونٹوں پر خشک زبان پھرا کر فرماتے ہیں۔ واللہ لا ذقت الماء وسیدی الحسینؑ عطشان۔

بھائی کی محبت :- تاریخ کے وہ اوراق ابھی موڑے نہیں گئے ہیں جو بھائیوں کی بیوفائیوں سے لبریز ہیں۔ ہابیل و قابیل۔ برادران یوسفؑ یا ایسے بیچے اونچے نام بتیا ملینگے جنکی بیوفائیاں ضرب المثل ہیں۔ خاندان بنی ہاشم میں بھی (گو یہ سد بہ مصلحتاً اور عارضی رہا ہو) دو نام لئے جا سکتے ہیں۔ ایک حضرت عقیل جو امیر المومنینؑ کی عدالت و دیانت سے وقتی طور سے خوش نہو سکے۔ دوسرے حضرت محمد حنفیہ کہ جب جنگ صفین میں علی ابن ابیطالبؑ نے فنون حرب کی عملی تعلیم کی غرض سے بار بار بھیجا تو آپ نے آخر تنگ کہہ دیا کہ پدر بزرگوار آپ صرف مجھے بھیجتے ہیں ؟ تو علیؑ ابن ابیطالب نے سمجھا دیا کہ جان پدر تو میرا فرزند ہے اور حسینؑ فرزند رسول ہے علاوہ ازیں حسینؑ بمنزلہ چشم ہے اور تو بمنزلہ دست انسان ہر بلا کو جو جسم و چشم پر آتی ہے ہاتھ ہی سے دفع کرتا ہے۔ مگر اس فقرہ کا گوش زد ہونا تھا کہ حسینؑ کی پیشانی پر غیرت شجاعت کی شکنیں پڑ گئیں باصرار اجازت میدان کی اور جنگ کے لئے تشریف لے گئے۔ وفا کی سوجھ صداقت کی جالت حضرت قمر بنی ہاشم (گو سن مبارک صرف ۸ سال کا تھا) اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور بے چین ہو گئے۔ اصحاب جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ ایک برق جہندہ صفوف اعدا میں کوندنے لگی۔ نیزہ اس بہادر کے ہاتھ میں تھا غیظ میں آکر نیزہ کو جنبش دی اور سو دشمنوں کو نوک نیزہ پر اُٹھا اُٹھا کے ہوا پر پھینکنے لگے تا اینکہ ۹۰ منافقین کو چشم زدن میں فی النار کر دیا اسوقت فوج شام نے سمجھا تا کہ یہ علیؑ نہیں بلکہ عباسؑ ابن علیؑ ہیں۔ عذر و معذرت کے [illegible] سے کبھی برابری کا خیال تک دل میں نہ آیا۔ بلکہ بھائی کو

یہ سالار تھا کہ اگر اس ... جناب پوچھتی ہیں کہ عباسؑ تم اپنے کو
حسینؑ کے غلام کہتے ہو حسینؑ نے تمھیں کن داموں خریدا ہے
تو فوراً جواب دیتے ہیں آپ بھی تو اپنے کو جناب معصومہ کی
لونڈی کہتی ہیں جن داموں آپ خریدی گئی ہیں میں بھی
اُسی قیمت پر خریدا گیا ہوں۔ بھائی کی محبت اور تاریخ
وفا کا یہ پہلا صفحہ تھا جو عباسؑ کی تھپکیوں سے صفین میں
کھلا۔ اور آخری خاتمہ اس داستان کا رزمگاہ کربلا میں
ہوا جس سے بہتر وفاداری کا مرقع تاریخ پیش کرنے سے
قاصر ہے۔

لہٰذا بخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کی ذات گرامی
نہ صرف وفا سے توام ہو کر رہ گئی تھی بلکہ آپ کی ۳۲ برس
کی عمر کا جائزہ لینے والے جانتے ہیں کہ آپ سوا منصب امامت
کے ... تمام جملہ صفات کمالیہ و ملکات حسنہ لیے ہوئے تھے
خواہ وہ ... نیہ ہوں یا تشریفیہ خارجیہ ہوں یا داخلیہ
روحانیہ ہوں یا جسمانیہ اور انسان کامل کہے جانے کے
مستحق تھے۔ جسے میں مختصر تمہید کے بعد حضرت کے اقوال نیز
حضرت کے متعلق اقوال سے پیش کر رہا ہوں۔

انسان کو شرافت بتوسط نفس ناطقہ حاصل ہوتی ہے۔
اگر انسان بذریعہ امتحانات کمالات انسانیت میں پورا
اُتر کر قوس صعودی تک پہنچ چکا ہے تو وہ ملائکہ سے بہتر ہے
ورنہ کالانعام بل ھم اضل کا مصداق ہو کر رہ جائیگا
اور مطابق فتوائے عقل و نص قرآنی سرچشمہ کمالات معرفت
ہے اور بعد معرفت امتحان ہے۔

... بنی ہاشم کی منزل عرفان قیاس بشری سے
بہت بلند ہے وہ جوانی کیونکر نہ عرفان الٰہی کی جوانی ہوگی
جسکی بسم اللہ ... یہ ہے کہ باب مدینۃ العلم داہنے زانو پہ بٹھائے
ہوئے گنتی گنا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا واحد بیٹے نے بھی
کہا واحد۔ باپ نے کہا اثنین کمسن بچہ نے باپ کے چہرہ کو
دیکھا اور ... ہو کر خاموش ہو گیا جب باپ نے پوچھا تم
اثنین کیوں نہیں کہتے عرض کرتے ہیں پدر بزرگوار جس
منھ سے ایک کہہ چکا ہوں دو کیونکر کہوں۔ باپ کی
آنکھوں میں لا تتخذوا الٰھین اثنین (سورہ نحل)
کی تفسیر گھوم گئی اور فرط محبت میں بیٹے کا منھ چوم لیا۔ اللہ
اللہ یہ صغر سنی اور یہ معرفت الٰہی کی عاقلانہ جوانی۔ پھر کیوں نہ
جوانی کی تصویر دیکھنے والے نہیں کہ کأن بین عینیہ
اثر السجود لکثرۃ عبادۃ الملک العلام۔

امتحان: کمالات انسانیت میں امتحان بڑی حد تک
دخیل ہے چنانچہ جناب احدیت نے بھی خوف و گرسنگی اور
نقص اموال و ثمرات کو ذریعہ امتحان قرار دیا ہے جب کہیں
جا کر صابرین کا خطاب ملتا ہے۔ جناب قمر بنی ہاشم نے جس
دیدہ دلیری اور ثبات قلبی سے گوناگون آلام و مصائب
جھیلے میں یہ امتحان دیا ہے اس کا بیان تحصیل حاصل ہے۔
مجھے اسکے کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ صبر کی منزل میں جناب
عباس کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے۔ ضرورت ہے کہ صبر جو
ارکان مستحکم ایمان میں سے ہے اسکی بھی تھوڑی سی توضیح کر دی جائے
جناب امیر المومنین سے دریافت کیا گیا کہ مولا ارکان ایمان

بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان کے تین پائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ پھر مزید توجیہ فرمادی کہ صبر کی چار شاخیں ہیں۔ شوق، خوف، زہد، تقویٰ اور انتظار۔

۱۔ پس جو شخص جنت کا مشتاق ہوا اس نے لذاتِ دنیا کو فراموش کیا۔ ۲۔ جو شخص آتش جہنم سے ڈرا اس نے محرمات سے دوری اختیار کر لی۔ ۳۔ جس نے مال دنیا سے پرہیز کیا مصیبتیں اس پر آسان ہو گئیں۔ ۴۔ جس نے موت کا انتظار کیا اس نے کار خیر کی بجا آوری میں عجلت کی۔

صبر کی ان چاروں صورتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت عباسؑ کے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں جن سے آپ کی قوتِ ایمان و صبر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

الموت حتم فاتیا مدینہ

اذا کان من بعدہ اسکان جنات

لا تاسفن علی الدنیا و لذتها

فعند حیدر تغفر کل زلات

بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

حضرت کے زہد و اتقا کو علیؑ کے مماثل کہنا بے محل نہ ہوگا اس لئے کہ اگر امیر المومنینؑ نے دنیا کو طلاق دے دیا تھا تو حضرت کی بھی یہی شان تھی چنانچہ آپ نے ایک شعر میں اس کا اشارہ کیا کہ

اصبحت ... دنیا کا حبا ... ؟

و علات ... حبوتها ... طلاقا

یقین | ذہنی آنکھوں سے دیکھنا۔

عقل کی بینائی، حکمت کی تاویل و تفسیر، آزمائش سے نصیحت حاصل کرنا اور طریقۂ اولین پر چلنا۔

جس نے اپنی عقل کو روشن کیا حکمت اس کے واسطے ظاہر ہو گئی اور جس کا علم و عمل کامل ہو گیا جس کے واسطے حکمت ظاہر ہو گئی اس نے اپنی آزمائش کو پہچان لیا کہ میں دار الامتحان میں ہوں اور اس سبب گویا وہ انبیاء اولین کے زمرے میں شامل ہو گیا۔

غلط نہ ہوگا اگر حضرت عباسؑ کو یقین صرف کہا جائے چنانچہ آپ کے وہ اشعار جو دست راست و چپ کے قطع ہونے کے وقت آپ نے ارشاد فرمائے ہیں پیش کئے جاتے ہیں جو مظہر ہیں آپ کے کمال الیقین کے۔

اشعار وقت قطع شدن دست راست

والله لو قطعتم یمینی — انی احامی ابدا عن دینی

وعن امام صادق الیقین — سبط النبی الطاهر الامین

اشعار بوقت قطع شدن دست چپ

یا نفس لا تخشی من الکفار — وابشری برحمة الجبار

مع النبی سید الاطہار — قد قطعوا ببغیهم یساری

وقد طغوا اهل البغی الکفار — فاصلهم یا رب حر النار

عدل | وضع الشیء علی محله یعنی اس کے ٹھکانے کا کہتے ہیں خصوصاً حضرت اس صفت میں یہ صورت رکھتے ہیں۔

جہاد | اور خدا کی راہ میں جہاد شہادت اتنی بلندی پر پہنچ جاتا ہے جس کے مقابل میں بلندیوں کو پست سمجھا جاتا ہے

حضرت اس منصب جلیل پر بھی فائز تھے اور اس طرح کہ چاروں معصومین میں سے کسی نے بشارت دی کسی نے تمنا کی کسی نے ذخیرہ کیا کسی نے مدحت کی۔ باقی معصومین نے بخیر یاد فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام چہارم کی نظر عبداللہ بن عباسؑ پر پڑی تو آپ بہت ملول ہوئے اور فرمایا رحم اللہ العباس فلقد اثر وفدی اخاہ حتی قطعت یداہ فابدل اللہ تعالی بھما جناحین یطیر بھما مع الملئکۃ فی الجنۃ کما جعل لجعفر بن ابیطالب وان للعباس منزلۃ یغبطہ بھا جمیع الشھداء اسی طرح امام ششم فرماتے ہیں کہ جناب عباس ابن علیؑ نافذ البصیرۃ اور ایمان میں سخت تھے آپ نے امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کیا اور ہر مصیبت و بلا کو ہمت گی کے ساتھ برداشت کیا بالآخر درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

موت

انسانی شرفیت و فضیلت میں حصول موت بھی ہے۔ اسلئے کہ سائر موجودات میں انسان ہی ایک ایسی نوع ہے جسے موت خود اختیاری کے مدارج حاصل ہیں۔ اور وہ مجاہدۂ نفس کے ساتھ اسے مختارانہ حیثیت سے حاصل کرکے انسانیت کے معراج کمال تک پہنچ سکتا ہے عقلا نے ہم تا اختیاری کے چار درجے مقرر کئے ہیں۔

۱۔ موت احمر | اسکی تعریف یہ ہے کہ نفس امارہ سے مقابلہ کرکے اسے مغلوب کرے۔ جناب عباسؑ نے کیونکر اس موت کو حاصل کیا اسے نہر فرات کی ترائی کا ہر ذرہ بتاوے گا کہ ایام گرما میں کیونکر ساحل سے خیموں کے اُکھڑنے پر سکوت کیا جاتا ہے۔ یا ایک سمیع و بصیر کو محافظت علم و مشک کا مہرہ سپرد کرکے کیونکر نسل کھول کے جنگ کرنے سے روکا جاتا ہے اور وہ راضی برضائے مولا رہتا ہے۔

۲۔ موت ابیض | یہ تحمل گرسنگی کے باعث حاصل ہوتی ہے کہ صفائے باطن کیلئے گرسنگی سے بہتر اور کوئی شے نہیں۔ ابن حیدرؑ کا تین شبانہ روز کا بھوکا ہی نہیں بلکہ پیاسا بھی تھا۔ نیز مجاہدہ اور کثرت عبادت۔ ناموس الٰہی کی محافظت کے افکار اس پر مستزاد تھے۔

۳۔ موت اخضر | جو لباس خشن کے استعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ قیمتی ملبوس موجب کبر و نخوت ہیں اور خشن باعث تواضع و انکسار نفس۔ ارباب نظر جانتے ہیں کہ اس شاہد یگانہ نے کبھی لباس فاخرہ استعمال نہیں کئے بلکہ ہمیشہ امیر المومنینؑ کی طرح پیوند دار قبا پہن کر زندگی کے دن کاٹ دیے۔

۴۔ موت اسود | دنیاوی ملامتوں اور اذیتوں کے تحمل کا نام ہے۔ حضرت عباسؑ نے اس درجہ کو بھی حاصل کیا جبکہ شدائد ومصائب کے تحمل کے ساتھ اشقیاء کو دشنام کی ملامتوں پر بھی ہمیشہ بہادرانہ تبسم کے ساتھ سکوت فرمایا۔

مختصر یہ کہ اپنی موت خود اختیاری کے ہر درجہ کو بھی حاصل کیا اور درجۂ شہادت ظاہری کو بھی جب ہی تو حضرت سید الشہداءؑ نے آپ کے مرتبہ میں افضل الشہداء کا ذہبی خطاب عطا فرمایا۔ اور سچ ہے کہ سید الشہداء کے بعد افضل الشہداء ہی کا خطاب ہو سکتا ہے۔

آپ کے مرتبہ کا شعر یہ ہے۔

یا افضل الشھداء ابن المرتضیٰؑ
صلی علیک اللہ کل اوان

مرقع وفا

مشتمل بر واقعات شب عاشورہ و مخصوص
بہ وفائے حضرت عباس علیہ السلام

(از مداح آلِ عبا مولانا سید غالب حسین صاحب عشروی
سکریٹری آل انڈیا انجمن عقد بیوگان گونڈہ)

خوشا با عاشق داور عزیزان و رفیقانی
نہ ہے الفت کہ ہر یک خود نظیر و خود بود ثانی
بہ دشت کربلا چون جائزہ گیرد بلائے او
حسینؑ آمد کہ بندد امتحان را شکل امکانی
بلائے آن شب کو را سحر بود وصال آمد
بسر آرد چہ گونہ مہر بیج صدق و ایقانی
صدائے العطش از خیمہ در دشت بلا پیچان
بہ شبخون ہم گمان بودہ نہ جور آل سفیانی
مگر آن عاشق شیدا نمودہ رو بہ سجادہ
نماید التجا ربا تو دانی سر و اعلانی
ندادم آرزو دیگر سوا صبرے داور
کنی توفیق خود رہبر براہ قرب چون خوانی
طلب دارد زراخوان و فرزندان و انصاران
بگوید ہر یکے را حبذا خیل رفیقانی
ہجوم فوج خونخواران پئے یک جان من باشد
سرم بر نیزہ گردد پیکرم افتد بہ عریانی
برادر من نگردن ہائے یاران حلقۂ بیعت
شدہ من سلوک اک اک با اسلوب خوش عوانی
بہ اک در پردۂ شب وا بہ ہر دامن خود را
حجاب از کار بیدار دنیا رو خوف عصیانی

چہ کار از کاروان با سالک راہ رضا افتد
بدست عشق تنہائی دہد لطف فراوانی
ایستادہ از عزیزان حضرت عباسؑ با صد غم
مگر حیران بہ شکلِ آئینہ شیر نیستانی
لب گویائے تصویر علیؑ آمد بہ گویائی
نہ آخر داد و ستم را بہ سقت دست یزدانی
ایا زیں دستیاری بد ید اللہ را ہمیں مطلب
کہ وقت جان سپاری من طلب دارم تن آسانی
بود خاکم بسر ہم خاک بر دنیا و ما فیہا
شود بے مہر زہرا ماہ ہاشم بیشتر فانی
عزیزم کردہ ورنہ غلامے از غلامانم
بود عزت عزیزان را عزیزانہ جان تو میدانی
عزیزے کو کہ جان خود عزیز از جان حیدر کرد
چہ حاصل قالب بے روح را از آب حیوانی
ایا پروردۂ ما را مگر در روضۂ راحت
تو ہمراہی باغ خلد از ما قطع گردانی
شود دستے بریدہ کوہ چشمے کو نہ زد پنجہ
بہ تار دامنِ آل عبا از دست مژگانی
بگو از بہر آن روزے عزیزم کردہ شاہا
کہ خود باشد غم باشی مرا وارستہ گردانی
گوئی سر و را دیگر چنیں قصہ بہ جانبازان
دم آخر ببیں پروانہ را با شمع سوزانی
چو دلسوزی ہمدم دید آن شمع شب آخر
کشیدہ آہ سردہ شد خموش از سوز پنہانی

عباس کی اطاعت

از جناب مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ خلف
(حضرت عمدۃ العلماء ظلہ)

خلاق عالم نے اطاعت کو منحصر کر دیا ہے اپنے لیے [illegible] چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" تو ظاہر ہے کہ خدا کبھی عاصی گمراہ اور ہر کس و ناکس کی اطاعت کا حکم نہیں دے گا کیونکہ ایسے شخص کی اطاعت کے معنی یہ ہوں گے کہ اطاعت کرنے والا بھی انہی باتوں اور قابل نفرت افعال کا ارتکاب کرے جن کا مرتکب وہ شخص ہے جس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

حالانکہ خلاق عالم مندرجہ بالا آیت میں اپنی اور اپنے رسول کی بھی اطاعت کا حکم دے رہا ہے اور یہ مسلم ہے کہ خدا و رسول کبھی یہ نہ چاہیں گے کہ انسان کبھی کوئی برائی کرے لہذا اگر اولی الامر سے مراد کوئی غیر معصوم اور خاطی ذات ہوگی تو ایک چھوٹی سی آیت میں اتنا بڑا تضاد پایا جائے گا جس کی متحمل فصاحت قرآنی ہرگز نہ ہوگی اور اتنا بڑا اختلاف پایا جائے گا کہ قرآن اس قابل نہ رہے گا کہ خدا کا کلام کہا جا سکے کیونکہ خود خداوند عالم نے قرآن کے کلام ربانی ہونے کی یہ دلیل بیان فرمائی ہے "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" اگر قرآن غیر خدا کا کلام ہوتا تو تم اس میں اختلاف کثیر پاتے اور جب ایک آیت میں اختلاف پایا جاتا ہے تو بقول قرآن ہی قرآن اس قابل نہ رہا کہ خدا کی طرف منسوب کیا جائے اس لیے آپ یا تو قرآن کو خدا کا کلام جاننے سے دستبردار ہو جائیے اور یا پھر ماننا پڑے گا کہ اولی الامر سے وہ معصوم ہستیاں مراد ہیں جن کے دامن تقدس کو گناہ کی آلودگی نے ابتدائے زندگی سے تا آخر عمر تک آلودہ نہ کیا ہو اور چونکہ سوائے ائمہ اثنا عشر کے بعد رسول کسی نے کسی کے متعلق دعویٰ عصمت سوائے ان کے نہیں کیا اور لازمی طور پر وہ اولی الامر یعنی مراد ہوں گے

لیکن یہ عجیب واقعہ ہے کہ اس آیہ کے ابتدا کے پہلے ٹکڑے یعنی اطاعت خدا کے ماننے والے سب سے زائد ہیں لیکن اطاعت رسول کے دعویدار اس سے کم ہیں اور اطاعت اولی الامر کے کرنے والوں کا شمار بہت ہی کم ہے حالانکہ اطاعت خدا ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ اطاعت رسول کا بھی اقرار نہ ہو اور یونہیں اطاعت رسول بیکار ہے جب تک کہ اولی الامر کی اطاعت نہ ہو۔

بہر صورت یہ واقعہ ہے کہ اگر رسول کی آخر عمر میں اطاعت کے دعویداروں کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں تک پہونچ چکی تھی تو علی رسول کے بعد یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اگر مجھ کو چالیس ساتھی بھی مل جاتے تو یقیناً اپنا حق خلافت طلب کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور جناب امیر کے بعد امام حسن اپنے دوستوں کی قلت اور گرد و پیش والوں پر بے اعتباری کی وجہ سے کہتے نظر آتے ہیں کہ اگر میں معاویہ سے صلح نہ کرتا بلکہ جنگ کرتا تو میرے ساتھ والے بھی مجھ کو گرفتار کر کے معاویہ کے سپرد کر دیتے اور پھر یا تو مجھے ذلت سے قتل کرتا اور یا آزاد کر کے بنی ہاشم کے سر پر اتنا بڑا احسان رکھتا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس قابل نہ رہتے کہ بنی امیہ کے سامنے سر اٹھا سکیں۔

لیکن اسی سلسلہ میں حسین مظلوم [illegible] کربلا [illegible] خدا [illegible] حسین کو [illegible] خود رسول کے ساتھ [illegible] کا رخ [illegible] اپنا بھی [illegible] ساتھی سمجھے کہ مرنے کا [illegible]

کا خیال بھی نہیں خود امام کہتے ہیں کہ میں تمہارے گلے سے اپنی بیعت کا حلقہ اتارتا ہوں مگر ساتھ والے کہہ رہے ہیں کہ لعنت ہے زندگی کو اگر تم زندہ گیا ائیں تو آپ پر قربان کر دوں۔

ایسے وفادار ساتھیوں کی وفاداری پر خود امام کو بھی فخر تھا اس لیے فرماتے تھے کہ میرے ساتھیوں کے سے باوفا ساتھی نہ تو نانا کو ملے نہ بابا علیؑ کو اور نہ بھائی حسنؑ کو۔

خصوصاً اس باوفا فوج کے سردار علمدار حسینی جناب ابوالفضل العباس کا تو وفا میں وہ مرتبہ تھا کہ حسینؑ نے اپنی فوج کا سردار منتخب کیا تھا گو ہم امام پر قرب نسب کی پاسداری کا الزام رکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حسین نے عباس کو اس لیے اپنی فوج کا علمدار بنایا تھا کہ عباس حسینؑ کے بھائی تھے اگرچہ یہی خیال خود رسول اور علی ابن ابیطالب کے لیے بھی پیدا ہو سکتا ہے لیکن وہاں عزیزداری اور رشتہ کا لحاظ نہیں بلکہ قابلیت اور اہلیت کا سوال پیدا ہوتا ہے یعنی نہ رسول کے لیے علیؑ سے زائد علمداری کا اہل تھا اور نہ حسین کے لیے عباس سے زائد کوئی وفادار اور علمداری کے لیے موزوں کہا جا سکتا تھا یعنی حسین کا سا منصف مزاج کبھی عزیزداری کی وجہ سے وفاداروں کی حق تلفی نہیں کر سکتا لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ عباس کا کوئی مثل شجاعت اور وفاداری میں فوج حسینی میں بھی کوئی دوسرا نہ تھا اسی لیے حسینؑ نے عباس کو اپنے علم کی علمداری کے لیے چنا تھا۔

بنی ہاشم اپنی شجاعت سخاوت اور تمام دوسری صفات میں عرب بھر میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے اسی لیے عرب کی سرداری اسی قبیلہ سے مخصوص ہے خصوصاً بنی ہاشم کی وہ شاخ جو ابی طالب سے چلتی ہے اس کا شجاعت میں تو خاندان بنی ہاشم میں بھی جواب نہ تھا

انہی ابی طالب کے نورِ نظر کا اسلام رہینِ منت ہے اور قیامت تک علیؑ کے احسان سے سر نہ اٹھا سکے گا دنیا معترف ہے کہ اگر علیؑ کی تلوار اور خدیجہ کی دولت نہ ہوتی تو اسلام کا وجود صفحۂ ارضی پر باقی نہ رہتا اور وہ علیؑ ہی کے بازو کی قوت اور تلوار کی کاٹ تھی جس نے بڑے بڑے شجاعانِ عرب کے دلوں میں اسلام کی دھاک باندھ دی اور ان کو بھی جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا منافقت کی نقاب میں منھ چھپانا پڑا۔

خاندان بنی ہاشم کے افراد کے لیے جان دے دینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اس کے بچے تلواروں سے کھیل کر جوان ہوتے تھے اس خاندان کے جوانوں کا کیا ذکر کمسن بچوں کی زبان پر ہوتا تھا "چچا میرے لیے موت تو شہد سے زائد شیریں ہے"۔

تمام ان صفات میں جو خاندان ہاشمی سے مخصوص تھیں جناب عباس کا درجہ بہت زائد بلند ہے اور شاید یہی وجہ ہو کہ حضرت عباس کا لقب قمر بنی ہاشم تھا خصوصاً شجاعت جس کا یہ عالم تھا بڑے بڑے شجاعان عرب علیؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام سے لرزہ براندام تھے۔

فطرتاً ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی برابری کا دعویٰ ہوتا ہے ایک بھائی کبھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کے دوسرے بھائی کو اس سے بلند مرتبہ سمجھا جائے وہ سوچتا ہے کہ جس نسل سے میں ہوں اسی نسل سے میرا بھائی اور جس باپ کی وہ اولاد ہے اسی باپ کی میں اولاد پھر کس طرح اس کو مجھ سے فضیلت ہے؟ اس جذبہ کی مثالیں کم و بیش ہر خاندان میں ملتی ہیں اور خاندانوں کا کیا ذکر خود خاندان ہاشمی میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں بلکہ خود اولاد علی میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ جنگ شباب پر ہے اور علی ابن ابی طالب دوست محمد حنفیہ کو لڑ کر پیچھے

حملہ کا حکم دے چکے ہیں بہادر بیٹا ابھی دوسرے حملہ سے واپس ہی آیا تھا کہ پھر باپ نے حکم دیا "ہاں بیٹا ایک اور حملہ کرنا"

جناب محمد حنفیہ نے گھوڑے کو بڑھایا مگر آنکھوں میں آنسو بھر آئے امام نے تعجب سے دریافت فرمایا بیٹا! یہ آنکھوں میں آنسو کیسے؟ محمد حنفیہ نے جواب دیا بابا اور کچھ نہیں صرف یہ خیال ہے کہ آپ ہر مرتبہ مجھ ہی کو حملہ کا حکم دیتے ہیں حسن اور حسین بھی آپ ہی کے فرزند ہیں مگران سے آپ نے مرتبہ بھی حملہ کیلئے نہیں کہا۔

امام نے یہ سنکر جوش میں فرمایا۔ نہیں نہیں۔ محمد حنفیہ تم فرزند میرے بیٹے ہو مگر حسین حسن میرے بیٹے نہیں وہ دونوں تو رسول خدا کے فرزند ہیں اور اسی لیے میں...... جنگ کا حکم دیتا ہوں مگران دونوں کی حفاظت کرتا ہوں۔

لیکن اس جذبہ کا اظہار سقائے سکینہ جناب ابوالفضل العباس نے کبھی نہیں فرمایا بلکہ اس کے خلاف اپنے کو ہمیشہ حسینؑ کا ایک غلام سمجھا۔

کیا عباس کے اس جذبہ کو ظاہر کرنے کے لیے یہ واقعہ کافی نہیں کہ جب شب عاشورہ سعد اپنی فوج سے اور امام حسینؑ اپنے مختصر لشکر سے نکلے تاکہ حق و باطل کے سردار آپس میں بغیر واسطہ مل کر شرائط صلح طے کرلیں شاید کوئی درمیانی راستہ نکل سکے۔ امام حسین ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ پیر کی چاپ...... محسوس ہوئی پلٹ کر دیکھا شبیہ رسول حضرت علی اکبر تشریف لا رہے ہیں فرمایا بیٹا! مجھ سے اور عمر سعد سے تنہا ملنے کا وعدہ ہے علی اکبر نے عرض کی وعدہ تو یہی ہے مگر اس کے ساتھ بھی اس کا بیٹا ہے اور جب تک دم ہے میں آپ کو تنہا جانے نہ دوں گا امام خاموش ہو کر کچھ ہی دور آگے بڑھے تھے کہ پھر پیر کی چاپ محسوس ہوئی مڑ کر دیکھا کہ قمر بنی ہاشم ابوالفضل عباس بھی تشریف لا رہے ہیں۔

فرمایا بھیا مجھ سے عمر سعد سے تنہا ملنے کا وعدہ تھا علی اکبر اس لیے ساتھ ہو گیے کہ عمر سعد کے ساتھ اس کا بیٹا ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا کوئی بھائی نہیں ہے لہذا تم واپس جاؤ جناب عباس نے جواب دیا ہاں مولا اس کے ساتھ کوئی اس کا بھائی تو نہیں مگر غلام ضرور ہے مولا مجھ کو آپ کے بھائی ہونے کا کب دعویٰ ہے میں تو ایک غلام ہوں۔ غلامان حسینی سے کیا اتنے وفادار اتنے شجاع اور ایسے جان نثار کے لیے بھائی پر سے جان نثار کر دینا اور بھتیجی کی فرمائش پر خون پانی ایک کر دینا کوئی بڑی بات تھی۔ نہیں نہیں یہ چیز تو جناب عباس ہی سے مخصوص نہ تھی کہ امام پر جان نثار کر دی۔ اس بات میں تو فوج حسینی کا ہر چھوٹا بڑا بیاہی جناب عباس کا شریک ہے۔

اگر بڈھوں میں نوے برس کے سن رسیدہ بزرگ حبیب مرنے کیلئے کمر بستہ نظر آئے گا تو جوانوں میں قاسم و علی اکبر بھی خون سے سرخ پوش دکھائی دیں گے اور چہرہ پر پھولوں کے سہرہ کے بجائے سر کے لہو کا سہرا ہوگا۔

اور بچوں میں قافلۂ حسینی کا سب سے کمسن ننھے مجاہد حضرت علی اصغر بھی تیر کھا کر مسکراتے ہوئے ملینگے۔

تو پھر جناب عباس کی کون سی یہ خاص وفاداری ہوگی کہ آپ نے اپنی جان اپنے بھائی پر سے نثار کردی جبکہ اپنے پرائے بچے بوڑھے سب ہی اس شمع امامت پر پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔

درحقیقت جناب عباس کا جذبۂ اطاعت اس وقت نمایاں ہوتا ہے جبکہ دشمن کی طرف سے خیام حسینی نہر پر سے اکھاڑنے کی فرمائش کی جاتی ہے اور حسین کا جوان بھائی اس بے ادبی پر تلوار نیام سے باہر نکال لیتا ہے لیکن امام تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں "بھیا ہم بنی ہاشم اپنی طرف سے

ابتدا نہیں کرتے اگر یہ لوگ اسی پر مصر ہیں کہ ہم اپنے چھوٹے بچوں سمیت ترائی سے دور جلتی ریتی پر قیام کریں تو بھیا خیمہ اکھڑوا کے دریا سے بہت دور ایسے مقام پر جہاں تک پانی نہ سے مگر ٹھنڈی ہوا بھی نہ پہونچ سکے خیموں کو نصب کروا دو۔

بھرا ہوا شیر نکار سامنے ہے لیکن جذبۂ اطاعت ہاتھ روکے ہوئے، غصہ ضبط کرنے سے منہ سرخ ہو گیا آنکھ میں آنسو آگئے مگر کھنچی ہوئی تلوار پھر نیام میں چلی گئی۔

عاشور کا دن ہے دوپہر کا وقت عرب کی مشہور زمانہ گرمی شباب پر ہے ریت اور دھوپ کے اثر سے سرخ ہو کر انگاروں کے مانند جل رہے ہیں خیام حسینی کے گرد کھائی کھدی ہوئی ہے جس میں آگ روشن۔ گرمی کا وہ عالم جہاں تک طائر تصور بھی نہیں پہونچ سکتا اور پھر قافلۂ حسینی پر تین دن ہو چکے ہیں کہ پانی بند ہے ننھے ننھے بچے سوکھے ہونٹوں پر اس خیال سے زبانیں پھیر رہے تھے کہ شاید زبان ہی کی تری سے ہونٹوں کی خشکی کچھ کم ہو سکے۔ اب چھوٹے بچوں کا یہ عالم ہے کہ ہاتھوں میں کوزے اور ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنے بڑوں کی صورتیں دیکھ رہے ہیں کیونکہ زبانوں کے خشک ہو جانے سے اب العطش کہنے سے بھی مجبور ہیں۔ ایسے ہی وقت میں جناب عباس خدمت بابرکت حسینی میں حاضر ہو کر اجازت جنگ طلب فرماتے ہیں امام باصرار روکتے ہیں لیکن بھائی نہیں مانتا آخر مجبور ہو کے فرمایا بھیا! اس سے پہلے کہ تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوٹ جاؤ ایک مرتبہ ان سے پانی تو مانگو شاید تمہاری تقریر کچھ اثر کرے اور میرے وہ بچے جو پیاس سے قریب بہ ہلاکت ہیں بچ جائیں جناب عباس لشکر شام کی طرف آئے۔ صفوف لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے

کوفہ و شام والو! تمہارے مہمان تمہارے رسول کے نواسے تین دن سے پیاسے ہیں اگر اپنے مہمانوں اور رسول کی اولاد کی کچھ اور عزت نہیں کرتے تو کم سے کم اسی کی اجازت دے دو کہ بہتے دریا سے جس طرح تمام مخلوق فیضیاب ہو رہی ہے ہم بھی پانی لے لیں مگر عمر سعد نے جواب دیا کہ حسینؑ سے کہہ دینا کہ جب تک وہ بیعت نہ کریں گے ہرگز ایک قطرۂ آب نہ ملے گا۔

بھلا عباسؑ کا سا غیرت دار عباس کا سا جوشیلا عباسؑ کا سا بہادر اور حسین کا جاں نثار بھائی حسین کی اس توہین کو برداشت کرتا مگر ابھی امام نے جنگ کی اجازت نہ دی تھی لہذا اگر جذبۂ غیرت ہاتھ تلوار تک لے جاتا تھا تو جذبۂ اطاعت تلوار کو نیام سے باہر نہ آنے دیتا تھا کیونکہ ابھی بھائی نے جنگ کی اجازت نہ دی تھی۔

اس سے بڑھ کر میں عباس کی اطاعت کی مثال پیش کروں جناب عباس کے لیے یہ کوئی چیز نہ تھی کہ دشمن سے لڑ کے جان دے دیتے لیکن عباس کا روز عاشورہ سب سے بڑا یہ امتحان تھا کہ معزز بزرگ ساتھ کے کھیلے ہوئے دوست یہاں تک کہ گود کے پالے ہوئے بھتیجے بڑے بھائی حسن کی اولاد حسین کے لخت جگر زینب کے لاڈلے جن میں سے ہر ایک پر عباس بڑی خوشی سے اپنی جان نثار کر دیتے آن کر امام سے مرنے کی اجازت لیتے تھے عباس گلے لگا کر رخصت کرتے تھے اپنی آنکھوں سے زخمی ہوتے ہوئے اور گھوڑے سے گر کر دم توڑتے ہوئے دیکھتے تھے مگر عباس کو مرنے کی اجازت نہ ملتی تھی جب بھائی پاس حاضر ہو کر عرض کرتے "مولا! اب مجھے بھی لڑنے کی اجازت عنایت ہو" امام فرما دیتے "بھائی کس دل سے میں تمہیں میدان جانے کی اجازت دیدوں تم تو میرے لشکر کے علمدار، میری فوج کی زینت اور عورتوں کے دلوں کی ڈھارس ہو اگر تم نہ ہوئے تو علم کا سبز پھریرا اڑا اڑا کر ادھر بچوں کے

دلوں کو تسکین اور ادھر دشمنوں کے دلوں کو کون دہلا سکیگا آخر اس وقت عباس جب سب کو دم توڑتے دیکھ چکے اپنے دل کے ٹکڑوں کی لاشیں میدان سے گنج شہیداں تک لا چکے۔

اب مردوں میں صرف ایک بیمار جناب زین العابدین دو ایک چھوٹے بچے خود امام حسینؑ اور جناب عباسؑ باقی رہ گئے اسوقت پھر تشریف لائے امام نے پھر یہی کہا کہ تم میرے لشکر کے علمدار ہو مگر ابکی جناب عباسؑ کو موقع تھا عرض کی مولا یہاں لشکر ہے وہاں علمداری بھی کروں گا لیکن پھر بھی مرنے کی اجازت تو نہ ملی ہاں اسکی اجازت مل گئی کہ بچوں کیلئے فرات سے پانی لے آئیں۔

عباس نے پیاری بچی سکینہ سے مشک لی حسینی علم کاندھے پر رکھا اور فرات کی طرف روانہ ہوئے بچی منتظر تھی کہ چچا نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی اگر مشک لے گئے ہیں تو پانی بھی ضرور آئے گا۔

مگر اس کی خبر نہ تھی کہ عباس کے دل کا خون مشک کے پانی سے مل کر بہے گا اور مشک تو ضرور آئے گی مگر اس صورت سے کہ پانی کے بجائے بچا کے خون سے تر ہو گی لیکن پھر عباس نہ آئیں گے چاہے سکینہ منتیں کر کے کہیں کہ چچا مجھے ظالموں کے ہاتھ سے بچاؤ میں وعدہ کرتی ہوں کہ پھر کبھی پانی کے لیے ضد نہ کروں گی۔

دریا کی روانی ختم ہوئی ہاں کرو فا کا آج بھی ہے

کہتا ہے یہ پرچم لہرا کر عباس تمہاری بات رہی

فضل

سیرت زینبیہ

صلوٰۃ اللہ علیہا

یہ نظم مسیح العصر جناب حکیم سید محمد قاسم عرف صاحب عالم صاحب کی دختر نیک اختر نے زنانہ جلسہ یادگار حسینی منعقدہ خاقان منزل لکھنو میں پڑھی

اے دختر علی ولی شیر کردگار!
اے بضعۂ رسول دو عالم کی یادگار
اے رہبر زنان جہاں شمع رہگذار!
اے عزم مستقل کی اساس فلک وقار

ہر ناز کائنات وہ کردار ہے تیرا
قدسی جھکیں ادب سے وہ کردار ہے تیرا

تیرے حسب نسب کی شرافت ہے آشکار
آغوش ایک امام کی عصمت کا ایک کنار
صدیقیت ہے میراث کی وارثہ واز
کہتی ہے بڑھکے آیہ تطہیر بار بار

ضامن کلام حق ہے تری عز و شان کا
ضامن ترا سفینہ ہے امن و امان کا

اے خواہر حسینؑ و حسنؑ زینب حزیں!
حق کی قسم کہ تیرے مصائب کی حد نہیں
اس پر بھی یہ ثبات قدم ہمت آفریں
جھک جائے کیوں نہ عالم نسواں کی جبیں

کوفہ سے تا بشام عجب کام کر گئیں
کار حسینؑ کا سرانجام کر گئیں!

مردان حق نواز ہوئے قتل جب تمام!
اور خوں سے حق کے بجھ گئی جنگاہ ملا انتقام
باطل کے دل کو تھا جب خوف انتقام
تو لے کے خلق کو ہے آفریں پیام

عزت کے آسمان کا تارا بنا دیا
عورت کو نطق حق کا سہارا بنا دیا

خطبوں میں وہ فصاحت و حقانیت کی شان
تقریر میں وہ حیدر صفدر کی آن بان
ہمت کو گوش دیجیے جرأت کو دی زبان
مردہ دلوں کو کر کے عطا ولولوں کی جان

دنیا میں انقلاب کا سامان کر دیا

جور و جفا کو چاک گریبان کر دیا

حقا کہ تو شہادت عظمیٰ کی جان ہے
تفسیر صبر و شکر ہے تقویٰ کی جان ہے
تبلیغ حق کے مقصد اصلی کی جان ہے
شبیر کی سیاست کبریٰ کی جان ہے

تو ہوتی ننگے سر جو نہ بلوائے عام میں
تبلیغ و قصاص رہتی ابد تک سالم میں

یثرب سے تا بہ کرب و بلا کربلا سے شام
وہ تیرا امر حق کی رفاقت میں اہتمام
باطل کے آگے سر نہ جھکانے کا التزام
دور یزیدیت سے وہ نفرت تری مدام

بھولی ہیں اور نہ بھولینگی جانبازیاں تری
تصویر مرگ و جو بھیں قربانیاں تری

آ پہونچے جب بلاؤ مصیبت کی وہ گھڑی
جس سے نظام دہر میں پیدا ہوا تری!
سیرت سے اپنی اے شہ مرداں کی لاڈلی!
تو نے انسانیت کو یہ تعلیم عام دی

دنیا میں جب کبھی حق و باطل کی جنگ ہو
عورت کے جوہروں کا یہی رنگ ڈھنگ ہو

ام البنین کا باوفا لال

"عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار"

از:- مداح آل محمدؐ سید معراج حسین معراجؔ بلگرامی (بلگرام ضلع ہردوئی۔ یوپی) از مقام کیمبل پور کنٹونمنٹ (پنجاب)

دشت بلا میں کہتی ہے زینب جگر فگار
ظلم و جفا میں گھر زہرہ کا گلعذار
تازہ ہو جس کے دم سے پیمبرؐ کی یادگار
دین خدا کا باغ ہے عالم میں پُر بہار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

پامال ہو نہ گلشن زہرہ رہے خیال!
واقف ہو یہ زمانہ ہو ہاشم کے مہ کمال
قوت علی کی پائی ہے ورثہ میں اور جلال
دکھلانا آج حمزہ و جعفر کی کارزار!
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

بابا کی روح نہ خلد میں بے چین ہو کہیں
شیر خدا کے شیر ہو عالم کو ہے یقیں
پامال کر دو حسرتیں سمجھے ہیں کیا لعیں
خیبر کی پھر جہان میں قائم ہو یادگار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

بھائی پہ میرے آنچ نہ آئے دم جدال
بستے میں لوں گی نانا پیمبرؐ کا دیہال
ہو باوفا زمانہ میں ام البنین کے لال
بھائی کے سر پہ عون و محمد کروں نثار
عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

واقف ہو تم کہ دہر میں زینب کے دُکھ بسر
سبطِ نبی کے بیٹے ہیں وارث یہی سپر
زہرہ کے شیر کا میں دکھاؤں گی خود اثر
صدقہ اتارنے کو میں لائی ہوں دل فگار
عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

بانو کے اب سہاگ کو قائم رکھے خدا
زینب وہ مانگ کوکھ سے شاداں رہے سدا
ہر دم یہی ہے زینب ناشاد کی دعا
بھائی کے نونہالوں کا حافظ ہے کردگار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

سبطِ نبی سے بیعت فاسق خدا کی شان
ظلم و ستم ہو حامل قرآں پہ الامان!
جس گھر کے آستاں پہ ملائک ہوں پاسبان
عزت میں فرق بھائی کے آئے نہ زینہار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

نانا کا کلمہ پڑھتے ہیں بے دین و بد گہر
تاراج کر رہے ہیں پیمبرؐ کا اپنے گھر
دھبہ لگا کے دین کے دامن پہ اہل شر
اسلام کو مٹانے پہ آئے ہیں بدشعار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

خالق ہے جس کی آل کا ہر وقت مدح خواں
دیکھو لقب حبیبؐ کا نازل کیا قرآں
روح نبی پہ آج ہیں امت کی سختیاں
واقف عدو ہیں دوش محمدؐ کا ہے سوار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

جان بتول نکلا ہے ایماں بچانے کو!
دور یزید کفر ضلالت مٹانے کو
دنیا کو راستہ حق و باطل دکھانے کو
ابن علیؑ نہ ہوں گے ارادوں میں شرمسار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

ظلم و جفا پہ کفر کے لشکر کو اپنے ناز!
سمجھے نہیں حسینؑ کی حالت کو کینہ ساز
زر کی طمع جو دولت دنیا سے بے نیاز
کرب و بلا میں آج حقیقت ہو آشکار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

سمجھے نہ بے حیا کہ حکومت کی جنگ ہے
دکھلانا آج ہے کہ صداقت کی جنگ ہے
دینِ مبیں کے آج حفاظت کی جنگ ہے
سوچو زمانہ کس لیے لائے ہیں شیرخوار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

ہمراہ کون جنگ میں بچوں کو لایا ہے
بوڑھے ضعیف ساتھ میں بیمار لایا ہے
حکم خدا رسول بھی سب کو سنایا ہے
دنیا بھی دیکھ لیگی بہتّر کی کارزار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

ہمشکل مصطفیٰؐ علی اکبرؑ سا نازنیں
صورت علیؑ کی پائی ہے بے شیر مہ جبیں
قاسم کو دیکھو دہر میں بہتر ہیں بالیقیں
آئے ہیں یادگاریں مٹانے کو بدشعار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

پہرے لگائے گھاٹ پہ پانی بھی بند ہے
قبضہ کیا فرات پہ لشکر گزند ہے
زہرا کے جو گھر میں دل دردمند ہے
اعدا کے تم ارادوں کو کر دینا تار تار

عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

تیغ و تبر سے کرتے ہیں دعوت امام کی
کیا خوب قدر کی ہے رسولِ انام کی !
تکذیب کربلا کے ہی معجز کلام کی !!
مہماں بلا کے قتل پہ آمادہ بد شعار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

مٹنے نہ دیں گی دینِ پیمبر کا سبز باغ
پروا نہیں جو گھر ہمارا ہو جائے بے چراغ
دامن پہ جب حسینؑ کے آئے نہ کوئی داغ
تا حشر یہ جہان میں قایم ہو یادگار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

اولاد قتل کر دیں لعیں آج بیگناہ
خیمے جلائیں لوٹیں پیمبرؐ کی یادگار
سیدانیاں اسیر ہوں نکلے نہ منہ سے آہ
مجبور ہو نہ خلق میں ایماں کا تاجدار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

طاقت نہیں ہے خامہ کو آگے لکھوں میں کیا
بنت علیؑ کی بین سے محشر ہوا بپا
ارض و سماں ہیں ہائے حسینا کا غل ہوا
کہتی زمینِ کرب و بلا ہو کے بیقرار !
عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

معرکے پر ہوا ابن علیؑ لطف کی نگاہ
حالت تمہارے اب ہے عزادار کی تباہ
مشکلکشا کے لال ہو بخشو مرے گناہ
برگشتہ اب نصیب ہے آ تلے زمانہ دار
عباسؑ فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

ہزار کعبہ ایمان بنا دئیے تم نے

(از:۔ ثامن نقوی البنسٹری)

حسینؑ معنئ وحدت بنا دئیے تم نے
ہزار کعبۂ ایماں بنا دیے تم نے
جلے تو عصر کو خیمے تمہاری موت کے بعد
مگر چراغ بھی لاکھوں جلا دیے تم نے
اندھیرا کیوں نہ ہو دنیائے کفر میں مولا
جو چھپ چکے تھے وہ جلوے دکھا دئے تم نے
یہ مانا بھوکے تھے پیاسے تھے تین دن تک مگر
لڑے تو خون کے دریا بہا دیے تم نے
تمہاری جنگ نظر میں ہے اے علی اکبرؑ
علیؑ کی تیغ کے جوہر دکھا دیے تم نے
جو جھک سکے نہ یزیدی وقار کے آگے
رہِ خدا میں وہی سر جھکا دیے تم نے
جو اپنے خواب میں دنیا نہ دیکھ سکتی تھی
اما ایسے جہاں کو دکھا دیے تم نے
ملے تھے ورثہ میں جو مصطفیٰؐ و حیدرؑ سے
وہ معرفت کے خزانے لٹا دیے تم نے
ملائکہ کی نگاہیں بھی جگمگا اٹھیں !
حسین ! رن میں وہ جلوے دکھا دئے تم نے
تمہیں کو یاد کرے دہر میں کیوں نہ ثامن
دلوں میں صبر کے ستون بٹھا دئے تم نے

فلکِ وفا کا خورشیدِ خاور

رشحۂ قلم مولانا سید عنایت حسین صاحب جلالوی متعلم ناظمیہ کالج لکھنؤ

ذیل کا مضمون جناب مولانا عنایت حسین صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے موصوف وطناً جلالی جو سی ہیں اور مدرسۂ ناظمیہ میں ایک سلسلۂ تعلیم تشریف فرما ہیں، یہ مضمون آپنے خاص طور سے الواعظ کی اجلاس نمبر کیلئے عطا فرمایا ہو شکریہ نقل

وفا کا نام روشن کر گئے عباس عالم میں
ہے پانی ہاتھ میں لیکن لبوں کو تر نہیں کرتے (عنایت)

اُفقِ امامت پر جو ستارہ بھی ضو فشاں ہوا عالم کے چپہ چپہ کو منور بنا گیا، کائناتِ دہر کا ذرہ ذرہ آج بھی گواہی دے رہا ہے یہ نجمِ ہدایت ایسے ہی تھے، ہر ستارہ اپنے فرائض ادا کر کے دنیا کو چمکا گیا۔ اور زمانہ پر ظاہر ہو گیا کہ اگر کسی کے قدم روارِ عظمت نے نہیں چومے تو معصوم نما ضرور تھا۔ جنھوں نے قبائے امامت پہن کر عالم پر احسانات کئے ان کا تو کہنا ہی کیا۔

لیکن بحرِ عصمت سے جو گہر بھی نکلا اپنی آپ نظیر ہو کر رہا۔ اگر کسی نے دریائے سخا میں غوطہ لگا کر سخی کا لقب پایا تو کوئی گلزارِ شجاعت سے پھول چُن کے شجاع کہلایا۔ اور اگر کسی نے فلکِ وفا سے ستارے توڑ کر وفاداری کا سکہ جمایا تو کسی نے میدانِ عبادت کو طے کر کے عابد کا خطاب حاصل کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی معرفت کے لئے ایک خاص خصوصیت دامن میں لئے گزر گیا۔ ورنہ دنیا کی ہر فضیلت ان پر فخر و مباہات کرتی ہے نہ آئے ہزاروں وفادار پیش کئے اور ان کی وفا کے نغمے گائے، میں بھی ایک خورشیدِ وفا پیش کرتا ہوں جو مطلعِ امامت پر طالع ہوا جس نے گیتیِ وفا کو روند کر شہنشاہِ وفا خطاب پایا جس کے جوہرِ وفا کے سامنے آج بھی وفا سر اطاعت خم کئے ہوئے ہے جس کی وفا زبان زدِ خلائق ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی منزلِ وفا پر پہونچا میں دیر سے وفا، وفا لکھ رہا ہوں، وفا کہتے کسے ہیں۔ لغوی دنیا وفا کے معنی میں یوں رقمطراز ہے، دوستی کو نباہنا جو منہ سے کہنا اسے کر کے دکھا دینا۔

لفظِ وفا اور معنیِ وفا بتا رہے ہیں کہ وفا کے کچھ مدارج و مراتب ضرور ہیں۔ عقلی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ وفا بالقول۔ وفا بالعمل۔ وفا بالعہد تو ضرور ہی ہونا چاہئیں۔ وفا بالقول کے لئے زبانِ عقل کہتی ہے جو منہ سے نکلے اس پر تن، من، دھن، سب کچھ قربان کر کے پورا کر دو۔ وفا بالعمل کے لئے سمجھ میں آتا ہے۔ اپنے ہر فعل کو عملی سانچے میں یوں ڈھالو کہ جو قدم اٹھے پیچھے وفا کا چشمہ بہتا نظر آئے۔ اور جب وفا بالعہد کے لئے سراجِ عقل کو گردش دی جاتی تو اس کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے جس سے جو وعدہ کیا ہے اُسے زندگی کے آخری لمحے تک پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یہ منزلیں ایک حقیقی وفادار کی کسوٹی بن سکتی ہیں۔ دیکھوں میرا مجسمۂ وفا پورا اُترتا ہے یا نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یوم پنجشنبہ ۴ شعبان المعظم ۲۶ھ نے سرزمینِ مدینہ پر وہ ماہتابِ وفا پیش کیا جس کی چاندنی آج بھی عالم میں چھٹکی ہوئی ہے۔ دنیا کی تاریخیں شاہد ہیں۔

تھی وہ بدر کامل تھا جسے زمانہ قمر بنی ہاشم کہتا ہے
یہی وہ اختر وفا تھا جس کی تمنا و آرزو میں قمر امامت کی
آغوش منتظر تھی۔ اسی چاند کے لئے مظہر العجائب نے
اپنے بھائی عقیل سے ایک بلند اوصاف بی بی کی فرمائش
کی تھی اور جناب عقیل نے ایک شجاع اور وفا خاندان
کی شریف زادی جناب فاطمہ کلابیہ کو پیش کیا تھا۔
صاحب علم لدنی قائل قول سلونی کربلا کے خونچکاں
حادثہ اور آنے والے واقعات سے خوب باخبر تھے۔
اسی لئے شجاع عالم کے دل میں حسرت وارمان پرورش
پا رہے تھے اور تمنا و آرزو تھی کہ جس طرح علی آفتاب رسالت
پر آنچ نہیں آنے دیتا اور انا عبد من عبید محمد کے کلمے
پڑھا کرتا ہے اسی طرح کوئی ایسا پیکر وفا ہونا چاہئے
جو نواسہ رسول آفتاب امامت کا ہر آن ہالہ بنے رہے
اور ہمیشہ اپنے کو حسین کا خادم سمجھ کے عالم کے قلوب
پر وفا کا سکہ بٹھا جائے۔ بالآخر مشکلکشا کی مراد بر آئی
اور خلاق کائنات نے بھی اپنے ولی کو وہ تصویر وفا
عنایت کی جس نے دنیا وفا میں روح پھونک دی۔
اور ام البنین کی آغوش میں وہ ستارہ ضوفگن ہوا
جس نے زمانہ کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کردی۔ یہ
نرالا چاند مہد وفا۔ آغوش شجاعت میں پرورش
پا کے اب اس قابل ہوا کہ اپنے باپ کی امیدوں پر
خراج تحسین پیش کرسکے لہذا بچپن ہی سے شہید اعظم
کا سایہ بن کر عجیب و غریب کمالات اور ولولہ انگیز
کارناموں کا آغاز کردیا۔

• اگر فرزند رسول فاطمہ کے لخت جگر نے قنبر سے پانی مانگا
تو خود پیش قدمی کی اور پانی سے چھلکتا ہوا جام پیش کرکے
خدمتگذاری کا بین ثبوت دیا۔ کتب کی ورق گردانی بتاتی ہے
کہ معرکہ صفین میں اس نونہال کو دسواں دور تھا۔ جب جانباز
نے دیکھا کہ جناب حنفیہ کے انکار سے مہر مبین خود ظلمت کے
مقابل میں جارہا ہے۔ شیر خدا کے شیر نے زہرا کے لاڈلے کو
روک کر میدان ستم میں وہ خون آشام تلوار چلائی جس کی دھاک
عالم پر یوں بیٹھی کہ اوراق کتب سنہری الفاظ میں پیش کرنا پڑا۔

گذرے ہوئے نمونے اور آنے والے کارناموں ہی کا
سبب تھا جنھوں نے فاتح خیبر کو جناب ام البنین سے آخری
وقت میں کہنے پر مجبور کردیا کہ تم اور عباس کو مجھ پر فدا
کرو۔ یہ حسین کا وہ عظیم فدیہ ہے جو چھوٹے چھوٹے بچوں کا
سوکھی زمین پر سہارا ہوگا۔ محسن عالم پیشین گوئی کے بعد
جہان فانی سے رخصت ہوگیا اب اسلامی سفینہ بنی امیہ کی
منجدھار میں کچھ ایسے آگیا کہ بغیر کسی عظیم قربانی کے ساحل
مقصود پر آنا بہت مشکل امر تھا۔ حربہ صلح استعمال کرنے کے
بعد علاوہ ازیں کہ خون پانی کیا جائے کوئی چارہ کار نہ تھا
اب وقت تھا کہ بدر اعظم اپنی انتھک اور بے پناہ کوششوں
سے ڈوبتی ہوئی ناؤ کو ریتلے دریا سے پار لگائے اپنے اور
اپنے ننھے ننھے بچوں کے سرخ سرخ خون سے اسلامی شجر کو
سینچے۔ تب اس وفا کے پتلے کو بھی جوہر دکھانے کا نادر موقع
ہاتھ آیا۔ تاریخ دنیا ببانگ دہل کہہ رہی ہے جب سے نینوا کے

مسافر نے پیارے وطن کو خیر باد کہا اور جب تک کاروانِ رسالت زمین ماریہ پر پہونچا ابوالفضل ہی کی وہ مقدس ہستی تھی جو ہر قدم پر پیش پیش نظر آئی۔ یہ نورانی تصویریں جب نظامِ عالم درہم برہم کرنے کے لئے ساحلِ فرات پر اتریں یزیدی افواج نے اپنی کثرت پر غرور و تکبر کرتے ہوئے۔ شیر دلوں کو چھیڑ دیا اور تحکمانہ لہجے میں کہا یہاں شامی لشکر دریا کی ترائی سے سرشار ہوگا۔ یہ نازیبا کلام سُنا اور اسد اللہ کے شیروں نے انگڑائیاں لیں سب سے پہلے شبیہ پیمبرؐ نے منھ توڑ جواب دینا چاہا لیکن وہ مجسمہ وفا کب برداشت کر سکتا تھا کہ شاہزادہ پہلا قدم اٹھائے فوراً بڑھ کے اٹھارہ سالہ یکتا روزِ زمانہ کو روکا اور آستین چڑھائے قبضہ پر ہاتھ شیرانہ انداز سے بزدلوں کی طرف دیکھا قریب تھا کہ دریا میں غیظ تلاطم برپا ہو جائے اور تمام منصوبے آن واحد میں تہ خاک دب جائیں لیکن مجسمہ صبر و رضا سر جھکائے آگے بڑھا اور صبر و سکون کی دعوت دی جدم بپھرے ہوئے غضنفر نے شہنشاہ کونین کا اطمینان بخش حکم سُنا فوراً سرِ تسلیم خم کیا اور جلتی زمین پر خیمے نصب ہونے لگے جوں جوں لمحے گزرتے جاتے ہیں قمر بنی ہاشم کی شجاعت و وفا کا آفتاب بلند ہوتا جاتا ہے۔

اب محرم کی وہ تاریخ آئی جس میں ظلمت کے تیلوں سے میدانِ کربلا تاریک ہوگیا یزیدی فوج کا سپہ سالار چتر زریں لگائے آن پہونچا جو رسالت غرق کرنے کے مستحکم انتظام شروع ہوگئے اپنی تاریک دنیا کا جائزہ لیکر شمسِ امامت کے نورانی پیکروں کا حال پوچھا۔ معلوم ہوا وہاں ہے تو صرف چند ستاروں کا جھرمٹ لیکن وہ ہیں جنھوں نے آفتابِ امامت اور ماہتابِ عصمت سے روشنی پائی ہے صرف عباسؑ ہی وہ انوکھا چاند ہے جو تمھاری دنیا میں اندھیر مچا دے گا۔ عمر سعد ضیغمِ کربلا کا نام سُنکر کانپ اٹھا سینے میں دل دھڑکنے لگا بے چین و مضطر ہوکر شمر کو بلایا اور فرید عصر کی شجاعت کا افسانہ سُنایا بشر جانتا تھا یہ وہی شیر بیشہ ہے جسے اسد اللہ کی شجاعت وراثتاً ملی ہے۔ یہ وہی پیکرِ وفا ہے جس نے آغوشِ علیؑ میں پرورش پائی ہے اور بے شرم نے اپنی بزدلانہ رائے کا اظہار کیا اور بولا عباسؑ میرے بھانجے ہیں۔ میں انھیں دولت و جاگیر، عزت و حشمت کا سبز باغ دکھاؤں گا شاید تمھارے لشکر کے علمبردار ہو جائیں۔ حیلہ باز مکارانہ انداز سے پہونچا اور شیر نیستانِ امامت سے ملنا چاہا۔ وہ تصویرِ وفا کیونکر بھائی کو چھوڑ کر مردودِ زمانہ سے ملتا۔ انکار کر دیا۔ اس نے حیا کا اصرار بڑھا سرچشمہ حیا نے بھائی کو حکم دیا۔ قمر بنی ہاشم اسد اللّٰہی شان و شکوہ سے سیاہ قسمت کی طرف چلا۔ مادی پتلے نے جب پیکرِ روح کو آتے دیکھا تعظیماً آگے بڑھا۔ رشتہ کا اظہار کرتے ہوئے سُنہری سکّوں پر وفا خریدنا چاہی اور بولا اِدھر آفتاب کی تمازت سے جلتا ہوا دشت بیابان اُدھر موجیں مارتے دریا کی ترائی اِدھر زر و جواہر کی کمیابی اُدھر لعل و یاقوت کی بارش، آؤ اور عمر سعد کی طرح چتر زریں لگاؤ۔ یہ وہ وقت تھا



(کرسیوں پر داھنی طرف سے)— جناب شیخ محمد تقی کربلائی جناب سرکار سعیدالملۃ مدظلہ عکس مبارک سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ سرکار نصیرالملۃ مدظلہ مولانا سید ساجد حسین صاحب



سید ابن الحسین صاحب ماہر سلمہ
(فضل کے حقیقی بھتیجے)



مرزا عالم حسین سلمہ متعلم بی۔ اے
لکھنؤ یونیورسٹی



جناب حکیم محمد قاسم صاحب
مالک دوا خانہ معدن الادویہ لکھنؤ



جناب سید سخاوت حسین صاحب
منیجر یو-پی-یونین بینک لکھنؤ



جناب سید افضل حسین صاحب
رکن ادارہ نظارہ - لکھنؤ

جبکہ دنیا کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں رشتۂ الفت ٹوٹ جاتے ہیں۔ زمانہ غزانہ کے تلووں پر آنکھیں ملتا نظر آتا ہے۔ کون ہے جو عیش و آرام کی زندگی چھوڑ کر رنج و الم کے گھاٹ اُترے۔ لیکن جب نورِ وفا نے یہ آتشیں شعلے ناری کی زبان سے بھڑکتے دیکھے پیمانہ صبر لبریز ہو گیا جوشِ شجاعت میں جھوما پیشانی پر بل پڑے حیدری انداز میں للکارا۔ ۔ و ناڑی مجھے نور سے علیحدہ کرتا ہے کیا تو اور کیا تیری دریا کی ترائی زندگی میں تو جب چاہوں چھین لوں لیکن یاد رکھ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ میرا قبضہ رہے گا۔ وفادار نے وفا بالقول کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی جیتی جاگتی دنیا نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ آج بھی دریا کی ترائی اسی شیر نیستاں کے قبضے میں ہے۔ اور بتا رہی ہے کہ ایسا تو کوئی بات کا دھنی ہو جو منہ سے کہدے اسے عملی سانچے میں عارضی نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ڈھالدے وقت گزرا اور اب وہ لمحے آئے جبکہ زمانہ کے انوکھے انسانوں نے ایک ایک کر کے شمع امامت پر پروانہ وار فدا ہونا شروع کیا۔ یہاں پہونچ کر تاریخیں بتاتی ہیں اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ علمبردار کو اذنِ جنگ نہ مل سکا اور اس شہنشاہ وفا نے اپنی زندگی میں رسول کے پیارے پر آنچ نہ آنے دی۔ میرا عقیدہ ہے کہ کاش دشتِ کربلا میں اس شجاع اعظم وحید عصر کو جنگ کی اجازت مل جاتی تو فرات کے مقابل ایک خون کا دریا بہتا اور ہونیوالے کارنامے اسی میں غرق ہو جاتے۔ زمانہ کی صدائیں پکار پکار کے کہہ رہی ہیں کہ یہ جانباز وفادار ذرا ذرا سے بچوں کی صدا العطش نہ سن سکا اور عزیز ترین سکینہؑ سے عہد کرتا ہے۔ میں تمہارے لئے پانی لینے جاتا ہوں سقائے حرم گھوڑے پر سوار دوش پر مشکیزہ ہاتھ میں علم لئے دریا کی طرف چلا۔ آب فرات بڑھ بڑھ کے پیشوائی کر رہا تھا فوجیں حائل ہوئیں لیکن مہر درخشاں تاریکی سے نکل کر نہر ہی پر نظر آیا۔ فرات پر پہونچ کر فرس تیز رو کو بھی دریا میں ڈالا اور خود بھی وفا کے پتلے نے پانی سے چلو بھرا اور دنیا کو دکھایا پھر یہ کہتا کہ بہتا دریا قبضے میں نہ تھا لیکن میری وفا کا یہ ادنیٰ کارنامہ ہے کہ آقا کی پیاس یاد کر کے پانی سے لب تر نہیں کرتا۔

یہ وفا بالعمل کی وہ منزل تھی جس پر شہنشاہ وفا نے یوں قدم رکھا کہ لب [illegible] جسم [illegible] رہ گیا اور تا قیامت جما رہے گا۔

اب وفا بالعہد کا باب [illegible] باقی رہا جسے پورا کرنے کے لئے بازو سے جان تک دیدی اور انسانی تمام قوتیں نثار کر دیں۔ سقائے سکینہؑ مشکیزہ بھر کے خیمے کی طرف چلا اور ایک مدبر اعظم کی تمام قوتیں جو تدبیر کے پیدا کرنے کے لئے ہونی چاہئیں ساتھ ساتھ ہیں۔ تلوار چلانے والے دست و بازو جذبہ سے موجزن قلب اور شمع عقل تینوں طاقتیں پوری پوری طرح کارفرما ہیں۔ وفا کے عیار سمجھ گئے جب تک ان تینوں قوتوں کو ختم [illegible] کیا جائیگا

پھرا ہوا شیر نہیں رک سکتا یہی وجہ تھی جو سب سے پہلے علمبردار کے دست و بازو قلم کئے ایک طاقت کو ختم کر دیا۔ اب بھی دو قوتیں باقی تھیں اور اپنا کام انجام دے رہی تھیں شمع عقل اور جذبہ بھرے دل ہی کا اثر تھا جس کی بدولت ہاتھ قلم ہو جانے کے بعد بھی مشکیزہ کا تسمہ دانتوں میں دبا ہوا ہے اب دل کی قوت ختم کرنے کے لئے سینہ مطہر پر وہ تیر مارا کہ دل پھڑکنے لگا اب صرف تیسری طاقت عقل باقی تھی اسے بھی سر مبارک پر گرز لگا کر یوں تمام کیا کہ جب وفادار نے امام زمانہ کو آقا کہہ کے پکارا جب تینوں نعمتیں جواب دے چکیں اب پانی کے ساتھ ساتھ دل بھی پاش پاش ہو گیا۔ سنتے ہیں کہ بھائی نے بھائی کا سر زانو پر رکھا اور ایک عجیب فرمائش کی جیسے دنیا کے کسی دوسرے برادر سے نہیں سنا۔

سبط رسول فرماتے ہیں کہ اے میرے شیدا برادر آج تو بھائی کہہ کے باتیں کرو اس چھوٹے سے فقرہ میں وفا کا چشمہ موجزن نظر آتا ہے اور ان راز سربستہ کا انکشاف ہوتا ہے جسے زمانہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس نرالے بھائی نے کبھی بھی سیدہ کے لال کو برادر نہیں کہا اور ہمیشہ آقا کہنے میں شرف سمجھا۔ کیا عالم اور بھی کوئی ایسا انوکھا برادر پیش کر سکتا ہے جس نے بھائی کو آقا کہتے ہوئے اپنے کو ہمیشہ حقیقی خادم سمجھنے پر اظہار مسرت کیا ہو۔ کیا اب بھی کوئی منزل وفا باقی ہے اسی وفادار کی وہ ذات تھی جس نے اپنے معاہدہ پورا کرنے کے لئے جان تک دے دی اور بتا دیا کہ وفا بالعہد کو یوں پورا کیا جاتا ہے۔

دنیا میں بھائی پر بھائی نے ضرور جان دی ہوگی اور ہر عزیز نے قربانی پیش کی ہوگی۔ لیکن یہ وہ منزل ہے جہاں ابوالفضل العباس ہی کے قدم نظر آتے ہیں۔ زندگی میں تو جو کچھ وفا کے جوہر دکھائے سو دکھائے لیکن مرنے کے بعد بھی ایک جا دفن ہونا منظور نہ کیا تاکہ کہیں امام ابن امام آقا رنا مدار کی برابری نہ ہو جائے یہی وفا تھی جس کی بدولت بنت رسول نے فرزند کہا۔ سبط رسول نے شہید اعظم کا لقب دیا۔ امام چہارم نے عباس طیار کہہ کے یاد کیا۔ دل کا ولولہ کیا ہے کہ امام المتقین فاتح خیبر و صفین کو مبارکباد پیش کروں۔ اے مولائے کونین جیسا آپ چاہتے تھے یہ وفادار اس سے کہیں زائد نکلا۔ اے میرے وفادار کیا کہنا تیرا اور تیری وفا کا۔ تیری ہی وفا کا وہ حسین گلدستہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ مہک دیتا رہے گا۔ تیری ہی وفا کا وہ جھنڈا ہے جو عالم کے گوشہ گوشہ میں گڑا ہوا ہے۔ تیری ہی وفا کا وہ زریں پرچم ہے جو ہر بلند منزل پر نظر آتا ہے۔ تیری ہی وفا وہ خورشید خاور ہے جسے قیامت تک زوال نہیں۔

اے وفادار سن لے ہم بھی رہتی دنیا تک تیری وفا کا پھریرا لہراتے رہیں گے اور زمانے کو بتائیں گے ایسے وفادار پیش کرے۔

آج دنیا کا فرض اولین ہے ایسے مجسمہ وفا کے کارناموں کا گہری نظر سے مطالعہ کرے اور اس پیکر وفا کے نقش قدم پر چل کر لواء وفا بلند کرے۔

نویدِ زندگی

(از ابوالبیان حضرت مائل لکھنوی)

کربلا یاد ہے اب تک وہ قیامت کی جنگ
شرحِ اخلاق کی تعلیم صداقت کی وہ جنگ
حق و باطل کی کسوٹی تھی حمیت کی وہ جنگ
پھیلی اسلام میں سرمایہ دعنت کی وہ جنگ
عملی درس تھا ایثار کا خودداری کا
غافلوں کے لئے پیغام تھا ہشیاری کا

مدعا یہ تھا دکھا دیں کہ محبت کیا ہے
شانِ تبلیغ ہے کیا فرض قیادت کیا ہے
حریت کیا ہے وفا کیا ہے اخوت کیا ہے
آزمائش ہے اصولوں کی شہادت کیا ہے
کبھی یہ شان نہیں ہوتی ہے سرداروں کی
دامنِ صبر جلے آنچ سے تلواروں کی

رہ منزل کا پتہ راہ نما دے کے گئے
عالمِ عشق کو پیغام بقا دے کے گئے
روحِ خوابیدہ کو احساسِ فنا دے کے گئے
ذرہ کے نبض چھٹتے ہوئے شعلوں کو ہوا دے کے گئے

وسعتِ دہر میں گونجی ہے روایت ان کی
آج ہے محفلِ ہستی کو ضرورت ان کی

مرگئے ذکرِ وفا پیاس میں کرتے کرتے
دم جو نکلا بھی تو دم عشق کا بھرتے بھرتے
ہاتھ سے تیغ نہ چھوٹی کبھی مرتے مرتے
قاتل آیا بھی پئے قتل تو ڈرتے ڈرتے
سر کے بھی رخیہ بھالی رہی غازی ایسے
سر کٹا مسجدِ خالق میں نمازی ایسے

رنگ اب لائی ہے مرنے پہ شہادت ان کی
سرخیٔ صفحۂ عالم ہے حکایت ان کی
اہلِ دل کرتے ہیں جا جا کے زیارت ان کی
قبلۂ مقصدِ عشاق ہے تربت ان کی
ذکر اربابِ وفا شام و سحر کرتے ہیں
جن کے دل مردہ ہیں وہ کسب اثر کرتے ہیں

یاد میں ان کی نکلتے ہیں مسلسل آنسو
رہتے ہیں آٹھ پہر آنکھ میں بے کل آنسو
بزمِ ماتم میں بکھرے دیتے ہیں جل تھل آنسو
چشمۂ غمخوار کے برسے ہوئے بادل آنسو
کم بنگاہی ہے نہ ان قطروں کو گوہر کہیئے
کہیئے طوفانِ عمل کہیئے سمندر کہیئے

گرد مدفن کو سب اکسیر بقا کہتے ہیں
سرمۂ دیدہ ارباب ولا کہتے ہیں
نکہتِ [illegible] نگاہ عرفا کہتے ہیں
[illegible] بس خاکِ شفا کہتے ہیں
دمبدم نکہت خونِ شہدا آتی ہے
آج تک [illegible] اک بوئے وفا آتی ہے

مرحبا پیاس میں دم عشق کا بھرنے والو
تیغ کی چھاؤں میں بے خوف ٹھہرنے والو
سر نچھاور رہِ معبود میں کرنے والو
واہ کیا بات ہے جیتے رہو مرنے والو
تم نے سر دے کے عجب پایۂ رفعت پایا
اور کیا چاہیئے جب تاج شفاعت پایا

پی کے اب آبِ بقا نشۂ وحدت میں رہو
کھا کے رحمت کی ہوا سایۂ رحمت میں رہو
حشر تک گوشہ نشیں خانۂ خلوت میں رہو
خلوت ناز ہے یہ چین سے تربت میں رہو
سرمدی خواب مبارک شب وصلت آئی
نیند اُچٹ جائے تو سمجھو کہ قیامت آئی

اخبار نظارہ کی توسیع اشاعت آپکا قومی فریضہ ہے

نذرِ پیمبرؐ کیلئے

(از جناب وقار بھادوی)

اشک ریز آنکھیں ہوں فرزند پیمبرؐ کیلئے
کچھ تو ساماں چاہیئے گرمی محشر کیلئے
گلشن مداحی آل نبیؐ سے چن کے پھول
کوئی گلدستہ بنے نذرِ پیمبرؐ کے لئے
اور تھا کوئی شب ہجرت نبیؐ کا جانشین
یہ شرف واللہ تھا مخصوص حیدرؑ کیلئے
بھر لئے دامن میں اپنے لو در اشک عزا
ہیں یہ موتی نذرِ زہرا و پیمبرؐ کیلئے
ہر قدم پہ ٹھوکریں لب پر فغاں سینہ پہ ہاتھ
سوئے مقتل یوں چلے شہ لاشِ اکبرؑ کیلئے
اک قیامت عالمِ بالا پہ برپا ہوگئی
حرملہ نے تیر جوڑا جبکہ اصغرؑ کیلئے
خلق میں پردہ ہوا جس گھر سے جاری اے فلک
ہیں وہی شہزادیاں محتاج چادر کیلئے
اے فلک کیسا ستم یہ کربلا میں ہوگیا
بند یوں پانی ہوا ابنِ سیر کوثر کیلئے
کیا ستم عاشور کو جانِ نبیؐ پر ہوگیا
تھے بہتّر داغ تنہا قلبِ سرور کیلئے
دل تڑپ اٹھتا ہے حالِ عابدِ بیمار پر
ہائے وہ بھری بیڑیاں اور پائے لاغر کیلئے

امام حسینؑ آغوشِ رسالت میں

از جناب سید محمد اطہر صاحب کاشف لکھنوی نبیرہ سرکار شمس العلماء حجۃ الاسلام مولانا سید بچھن صاحب قبلہ مجتہد اعلی اللہ مقامہٗ

جناب امام حسین علیہ السلام نے آغوشِ رسالت میں پرورش پائی تھی اور جناب فاطمہ زہراؑ کے لخت جگر تھے سرتاج اولیاء مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے نور چشم تھے اوصاف اور فضائل اخلاق ہمت شجاعت صبر علم آپ کو ورثہ میں ملا تھا آپ شرافت انسان اور فضیلت بشری کے مرکز تھے یہی سبب تھا کہ رسول اللہ ﷺ وآلہ وسلم نے انھیں خصوصیات کو دیکھتے ہوئے ان دونوں حضرات کو یعنی امام حسین علیہ السلام اور امام حسنؑ کو سردار جوانانِ بہشت کا خطاب دیا رسول اکرم نے دنیا سے صاف صاف کہدیا تھا کہ حسینؑ منی وانا من الحسین یعنی حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں' جس نے حسینؑ سے دوستی کی اس نے مجھ سے دوستی کی اور جس نے حسینؑ سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔

(حضرت امام حسینؑ کی سخاوت و ایثار) کی یہ شان تھی کہ کوئی سائل دولت سرا پر آجاتا تو اپنی امیدوں سے زیادہ پاتا تھا لیکن اس کے بعد بھی امام حسینؑ شرمندگی و ندامت کا اظہار فرماتے تھے کہ بھائی میں تیرے ساتھ کوئی سلوک اپنے حسب دلخواہ نہ کرسکا کیوں نہ ہوتا کیونکہ آپ علیؑ کے صاحبزادے تھے نواسہ تھے۔ مشہور واقعہ ہے حضرت علیؑ نے [illegible] حالت رکوع میں انگوٹھی [illegible] ہر وقت غریب غربا مسکین آپ کے پاس اپنی حاجتیں لیکر آتے تھے اور امام حسینؑ ہر سائل کی حاجت کو پورا کرتے تھے۔ ہر وقت فیاضی و سخاوت کا دریا موجزن رہتا تھا آخر رسول اکرم کے نواسے تھے جن کے برابر دنیا میں کوئی سخاوت اور فیاضی میں نہ تھا۔

(عفو و کرم) آپکا بحر عفو و کرم وہ ناپیدا کنار دریا تھا کہ جس کا جزر و مد چشم فلک بھی نہ دیکھ سکا مثال میں ایک مختصر سا واقعہ حوالہ قرطاس کرتا ہوں حضرت علیہ السلام دسترخوان پر خاصہ نوش فرما رہے ہیں کہ ناگاہ ایک کنیز کے ہاتھ سے گرم شوربہ کا پیالہ چھوٹ گیا جس سے آپکے تمام کپڑے تربتر ہو گئے آپ نے جو انکی طرف نظر کی تو گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں اس نے اس آیت قرآن کی تلاوت کی۔ "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس" اس وقت نگاہ غضب مبدل بہ چشم عفو کرم ہوگئی اور فرمایا کہ میں نے اپنے غصہ کو ضبط کیا کنیز نے عفو کرم کا بادل امنڈتے دیکھ کر آیت کا بقیہ بھی پڑھ دیا واللہ یحب المحسنین۔ خدا معاف کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ اس آیت کو سنتے ہی حضرت نے رسول اللہ کی شان کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تیری خطا معاف کی بلکہ اب سے تیرے تمام ضروریات کا ہمیشہ ذمہ دار ہوں۔

(صبر و استقلال) میدان صبر و استقلال میں آپ رسول خدا اور علی مرتضٰی اور حسن مجتبٰی کی مکمل تصویر تھے بلکہ جو مواقع صبر و استقلال ان بزرگوں کے بعد میں ملتے ہیں وہ صبر کی دشوار راہیں امام حسینؑ نے نہایت ثبات قدم سے طے کر دیں۔ آپکے سامنے ایک دو مصیبتیں نہیں تھیں بلکہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اپنی مصیبت اور اپنے رفقا کی مصیبت' اعزا کی مصیبت' اپنی عورتوں کی مصیبت' اپنے بچوں کی مصیبت' مفارقت کی تکلیف' غربت و مسافرت کی تکلیف' بھوک و پیاس کی تکلیف غرضکہ طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا تھا جس کے خیال سے روح بشری کانپ اٹھتی ہے مگر حضرت نے سب تکلیفوں کو نہایت دلیری اور شجاعت سے برداشت کیا۔



حسینیت کے نمونے دکھائے جاتے ہیں

از جناب سید نواب صاحب افسر لکھنوی

حسین اپنا بھرا گھر لٹائے جاتے ہیں
ادائے فرض کے معنی بتائے جاتے ہیں

جلی حروف میں لکھے گی حشر تک دنیا
وہ دلگداز کہانی سنائے جاتے ہیں

اکیلے سیل حوادث کے سامنے آ کر
ثبات و عزم کی قوت دکھائے جاتے ہیں

ادھر ہزاروں کی فوجیں ادھر ہیں چند نفوس
مگر یہ چند ہزاروں پہ چھائے جاتے ہیں

سنہری دھوپ میں پنجہ کی وہ زرافشانی
تمام ارض و سما جگمگائے جاتے ہیں

نکل کے آتا ہے اک اک مجاہد اسلام
حسینیت کے نمونے دکھائے جاتے ہیں

خدا کے دین پہ غربت میں پڑ گیا ہے یہ وقت
کہ شیر خوار بھی میداں میں لائے جاتے ہیں

ہیں شاد بچے بھی مقصد کی کامیابی پر
گلے میں تیر سے اور مسکرائے جاتے ہیں

کیا [illegible] گئے اب تو [illegible] میں [illegible]
[illegible] سے حرملے لگائے جاتے ہیں

[illegible] ہے [illegible]
[illegible] سے [illegible]

[illegible] کو [illegible] پکا کر [illegible]
[illegible] بت [illegible] سے [illegible]

اٹھ [illegible] ظلم میں [illegible] پر [illegible]

اب اہلبیت کے خیمے جلائے جاتے ہیں

ابھرتے آتے ہیں روشن حقیقتوں کے نقوش
حقیقتوں کو جہاں تک چھپائے جاتے ہیں

تڑپ رہی ہے حمیت لرز رہی ہے فضا
حرم رسول کے در در پھرائے جاتے ہیں،

یہ سب تو ہے مگر اللہ رے زور مظلومی
جو دیکھتے ہیں وہ آنسو بہائے جاتے ہیں،

حسینؑ نے جو مرتب کئے ہیں قتل کے بعد
وہی اثر رگ و پے میں سمائے جاتے ہیں

اک انفعال سا خود ہے ضمیر دشمن میں،
کچھ انقلاب کے آثار پائے جاتے ہیں

یزیدیت کو یہ ضد ہے کہ نام مٹ جائے
حسینؑ ہیں کہ دو عالم پہ چھائے جاتے ہیں

قیامت تک نہ پیدا ہونگی ایسی ہستیاں دنیا

ذیل میں جو قطعہ تاریخ درج کی جا رہی ہے یہ جناب سید علی جعفر صاحب زیبا بہنوڑی تلمیذ لسان الزمن جناب غالم صاحب مدظلہ نے سرکار ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ کی مجلس فاتحہ خوانی بمقام کتب خانہ ناصریہ میں پڑھی

کہاں کھو دیں بتا دے وہ مقدس ہستیاں دنیا
کہاں آخر گئیں وہ تیری رنگینیاں دنیا

جنھیں [illegible] زمانہ یاد کر کے جان کھوتا ہے
[illegible] ہستیاں دنیا

[illegible] جاتے
[illegible] طاقتیں [illegible] دنیا

[illegible] آ [illegible] کے وقت [illegible]
[illegible] دنیا

ہے کوئی دنیا میں عباس دلاور کا جواب

(از)

جناب ڈاکٹر اسد حسن انصاری صاحب فرنگی محلی

کربلا میں کون تھا اس ابن حیدر کا جواب
جس کی ہیبت ہی تھی تیغ و تیر و خنجر کا جواب

یہ مہ و خورشید بھی کہہ دیں جو دیکھا ہو کہیں
سبط اکبر کا مقابل سبط اصغر کا جواب

تھا عیاں یہ کوفیوں کے شور ہنگام سے
دے نہیں سکتے ہیں یہ اللہ اکبر کا جواب

کر دیا قرباں سب بھائی بھتیجوں کے لئے
ہے کوئی دنیا میں عباس دلاور کا جواب

بات سنتا تھا نہ کوئی عابد دلگیر کی
تھی صدا زنجیر کی بیمار مضطر کا جواب

پھر نہ آیا حضرت قاسم کا ایسا جامہ زیب
پھر نہ بھیجا خالق اکبر نے اکبر کا جواب

ہے دُوئی باطل یہاں یہ گونج ہے توحید کی
دے سکے گا کیا کوئی اللہ اکبر جواب

وہ زمیں تپتی ہوئی آفت کی لو دو دن کی پیاس
کربلا کا دشت تھا میدان محشر کا جواب

شوق سے لکھیں فرشتے میرے اعمال سیاہ
حیدا شک غم بنینگے سارے دفتر کا جواب

گو عرب میں ایک سے تھا ایک بڑھ کر شہسوار
تھا نہ کوئی راکب دوش پیمبر کا جواب

ذکر حق کا اور یکسر کون ہمشکل نبی
کون دیتا نعرۂ اللہ و اکبر کا جواب

گو کہ مرجھایا ہوا تھا دھوپ میں باغ نبی
پھر بھی سرسبز مردہ گل تھا یہ گل تر کا جواب

اے اسد کام آ گئے اشعار مدح اہلبیت
بن سکے محشر میں وعصیاں کے دفتر کا جواب

جا سروں کو پیٹتے ہیں اور کف افسوس ملتے ہیں
کہ آئینگی کہاں سے یہ مبارک ہستیاں دنیا

کلیجہ چاک ہوتا ہے نہیں قابو میں بے دل ہو
کہ تو نے صبر کے دامن کی کر دیں دھجیاں دنیا

جناب ناصر ملت نظر سے آج پنہاں ہیں
قیامت تک نہ پیدا ہونگی ایسی ہستیاں دنیا

ہمارے ناصر دیں کو چھپا ڈالا قیامت کی
...یا میں ہو گیا غائب بڑا اک آسماں دنیا

...تا راضی گلزار عسلیس،
ہوا نذر خزاں افسوس، تیرا بوستاں دنیا

امامیہ یتیم خانہ ہملٹن روڈ کشمیری دروازہ دہلی

(کی)

ہر طرح سے مدد کیجئے جہاں قوم کے سیکڑوں بچے آپکے الطاف وکرم پر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں نیز امامیہ یتیم خانہ میں سادات وغیرسادات ایتام کی ضرورت ہے۔ جملہ درخواست ہائے بنام جنرل سکریٹری امامیہ یتیم خانہ دہلی آنی چاہئیں۔ جملہ کتب متعلق امامیہ مشن لکھنؤ۔ امامیہ یتیم خانہ دہلی سے طلب فرمائیں،

دخادم ایتام آغا نثار احمد ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر و آنریری جنرل سکریٹری امامیہ یتیم خانہ ہملٹن روڈ دہلی

جذباتِ مظفرؔ

(از جناب سید مظفر حسن صاحب نقوی مظفرؔ لکھنوی)

پھر چاند عزا کا نکلا ہے پھر درد کا بادل چھایا ہے
ہر اشک ٹپک کر کہتا ہے احمدؐ کا نواسا پیاسا ہے

اس ظلم کی اندھی دنیا میں اندھیر یہ کیسا چھایا ہے
جو عرش کا رہنے والا ہے وہ خاک پہ کروٹ لیتا ہے

شدت سے عطش کی پانی پر حسرت کی نگاہیں پڑتی ہیں
کچھ ہاتھوں میں خالی کوزے ہیں اور سامنے دریا بہتا ہے

اس راز کو کوئی کیا سمجھے یا ہم سمجھیں یا دل جانے
شبیرؑ کے غم میں اشک جو نکلا کیسے موتی بنتا ہے

یوں لاکھ زمانہ کچھ بھی کہے فطرت کو کوئی کیا بدلے گا
اشک آنکھوں میں چھلکے آتے ہیں دل ہائے حسینا کہتا ہے

وحدت کی نگاہوں میں جو رہا آغوش نبوت میں جو پلا
عاشور کو جلتی ریتی پر افسوس اسی کا لاشا ہے

اس سن میں بھلا اس ہمت کو شششا ہے مسافر کو دیکھو
شبیر کی نصرت کی خاطر میدان میں کیونکر آیا ہے

صغرؔ سے تو گھر میں رونق تھی صغرؔ جو نہیں تو کچھ بھی نہیں
ماں سر کو جھکائے بیٹھی ہے ٹھہرا ہوا جب سے جھولا ہے

جب یاد مظفرؔ آتی ہے کھنچ جاتی ہے شکل کرب و بلا
شبیرؑ کے غم میں آنکھوں سے اک خون کا دریا بہتا ہے

تاجدارِ کربلا

(از جناب اخترؔ اکبرپوری)

تیرے دم سے بڑھ گیا عز و وقار کربلا
واہ کیا کہنا ترا اے تاجدارِ کربلا

بن گئی جن و ملک انسان کی تو سجدہ گاہ
اے زہے قسمت ترے خاک دیار کربلا

پڑ گئی دہشت سے ہلچل قلب فوج شام میں
کھینچ لی جب تیغ تو نے شہسوارِ کربلا

شکل گل تھے سارے ذرے خون میں ڈوبے ہوئے
تھی بہار غم دکھاتا لالہ زارِ کربلا

خیمہ آلِ نبیؐ ہوں نصب جلتی ریت پر
اترے فوج شام تجھ میں شیرہ زارِ کربلا!

زیر خنجر کی ادا تو نے نماز عصر بھی
تیری طاعت پر فدا شب زندہ دارِ کربلا

دشمنوں کی کوششوں سے مٹ گیا قبر حسینؑ
کر چکی تھی رحمت باری حصارِ کربلا

دفن ہو کر تو نے بخشا یہ شرف زہرا کے لال
سرمۂ چشم ملائک ہے غبارِ کربلا

ہند سے کر لو طلب اخترؔ کو جلدی یا حسینؑ!
بن کے زائر آپ کا دیکھے جوارِ کربلا

کشف الاشتباہ مترجم ومحشی

جناب صدر الملۃ مولانا السید محمد مجتبیٰ صاحب قبلہ دام ظلہ مجتہد العصر سرپرست دائرۃ الاشاعت کے قلمی مجاہدات اور علمی افادات پر علمائے ایران و عراق کی طرف سے اظہار تشکر وامتنان

آقائے بحر العلوم سید ہبۃ الدین شہرستانی دام ظلہ وزیر معارف عراق اور جناب صدر الملۃ کے استاد محترم سلطان المجتہدین آقائے شیخ عبد الحسین رشتی نجفی دام ظلہ کے گرامی نامے۔

آقائے ہبۃ الدین دام ظلہ کا گرامی نامہ

بسم اللہ ولہ الحمد

حضرۃ الوجیہ المفضال البحاثۃ الباقحۃ۔ ذی المآثر اللامعۃ والمفاخر الجامعۃ مولانا الادیب السید محمد مجتبیٰ سرپرست دائرۃ الاشاعۃ نوگانوہ دام اقبالہ وافضالہ بعد الحمد والثناء والشوق والولاء والدعاء تناولت بانامل المسرۃ والشکر ھدیتکم المرسلۃ (کشف الاشتباہ) فی مجابھۃ (موسیٰ جاراللہ) فتلقیتھا لا ثمن ھدیۃ وصلۃ واجل موھبۃ من مواھبکم المتسلسلۃ لما تضمنت من کشف تمویھات ذلک المسترسل من طیشہ فی الافتئات المترسب فی غیاھب الغی والشبھات وعجیب منہ جداً انہ عند اجتماعہ بالمخلص فی المدینۃ السلام (بغداد) لم یبد ای شبھۃ من شبھاتہ حتی یبدی لہ الجواب الصواب فلا یضطر للنشر من بین الملاء واثارۃ البغضاء والشحناء فی طوائف المجتمع الاسلامی الذی ھو فی ھذا العصر بل فی کل عصر محتاج الی لم الشعث وجمع الکلمۃ واتفاق الرأی والفۃ القلوب کما امرنا اللہ تعالیٰ بہ ورسولہ واسلافنا الصالحون حتی ان امیر المؤمنین علیاً کان یدعو الی اتحاد المسلمین واعتصامھم بحبل واعتصامھم بحبل اللہ المتین بقولہ (الا ومن دعاکم الی غیر ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذہ) فجزاکم اللہ فی نشر ھذا الاثر النافع وجزی مؤلفہ البارع الورع مولانا العلامۃ الحجۃ حضرت الشیخ عبد الحسین الرشتی دام ظلہ خیر جزاء المحسنین،

ھبۃ الدین محمد علی الحسینی الشھیر بالشہرستانی بغداد۔ | مہر |

ترجمہ

حضرت وجیہ المفضال البحاثۃ الباقعۃ ذی المآثر الناصعۃ والمفاخر الجامعۃ مولانا الادیب سید محمد مجتبیٰ سرپرست دائرۃ الاشاعت نوگانوہ دام اقبالہ وافضالہ بعد حمد وثنائے خدا وشوق ومحبت ودعا آنکہ میں نے مسرت وتشکر کے ہاتھوں سے آپ کے بھیجے ہوئے ہدیہ کشف الاشتباہ کو لیا جو موسیٰ جار اللہ کے رد پر مشتمل ہے میں نے اسکو گراں ترین ہدیہ اور آپ کے مسلسل عطایا میں سے ایک جلیل ترین عطیہ سمجھ کر لیا اسلئے کہ وہ اس کے مزخرفات ومکائد کے دفعیہ وازالہ پر مشتمل ہے جو اپنے طیش وحماقت کی وجہ سے خود رائی میں بڑھا جا رہا ہے اور گمراہی وشبہات کی تاریکیوں کی تہ میں پڑا ہوا ہے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب وہ مجھے مدینۃ السلام بغداد میں ملا تھا تو کوئی شبہ نہیں بیان کیا کہ میں جواب باصواب دیتا اسکے شبہات کی اشاعت اور اسلامی فرقوں میں بغض وعداوت پھیلانے سے کوئی اضطرار واضطراب واقع نہ ہو جائے اس زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں سے انتشار کو دور کیا جائے یک زبانی۔ اتفاق رائے اور الفت ومحبت پیدا کی جائے

جیسا کہ خدا اور رسول اور سلف صالحین نے ہم کو حکم دیا ہے یہاں تک کہ حضرت علیؑ اتحاد و اتفاق مسلمین اور حبل اللہ سے تمسک کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ آگاہ ہوجاؤ جو شخص تم کو اتحاد و اتفاق کے خلاف دعوت دے اسی کو قتل کر دو اگرچہ وہ میں ہی ہوں۔

خداوند عالم آپ کو اس مفید و گرانبہا کتاب کے شائع کرنے پر نیز اسکے مولف علام مفتی مولانا العلامۃ الحجۃ حضرت شیخ عبدالحسین رشتی دام ظلہ کو ایسی جزا عنایت فرمائے جو وہ ان بندوں کو عنایت فرماتا ہے جو احسان کرنے والے ہیں۔ فقط

ھبۃ الدین محمد علی الحسینی المعروف بشہرستانی بغداد

آقائے سلطان المجتہدین دام ظلہ کا گرامی نامہ

باسمہ سبحانہ

حضرت السامی جناب مستطاب مروج الاحکام قبلۃ الانام کہف الاسلام والمسلمین غوث الملۃ والدین آقائے آقا سید محمد مجتبیٰ مجتہد سلمہ اللہ تعالیٰ .... معروض حضور میدارد مرقومہ عالی زیارت شد چون یک نسخہ از کشف الاشتباہ والاسم شخص حضرت عالی ہدیہ بنام آقائے شہرستانی نمودہ بودم و لپشت آن کتاب نوشتہ بودم کہ ہدیہ است از طرف جناب سامی مترجم لہذا رقیمہ تشکر بحضور حضرت عالی ارسال داشتہ اند بہرحال مجاہدات و خدمات شما پرتو بسیار مشعشع در بلاد ایران و عراق انداختہ و زحمات عالی در راہ اسلام مغتنم می شمارند و دعاگو اند۔

(عبدالحسین رشتی) ترجمہ: — حضرت سامی جناب مستطاب مروج الاحکام قبلۃ الانام کہف الاسلام والمسلمین غوث الملۃ والدین آقائے آقا سید محمد مجتبیٰ مجتہد العصر سلمہ اللہ تعالیٰ عرض پرواز خدمت ہوں کہ میں نے کشف الاشتباہ کا ایک نسخہ حضرت عالی کے نام سے آقائے شہرستانی کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا اور پشت کتاب پر لکھ دیا تھا کہ جناب مترجم کی طرف سے ہدیہ ہے اس لئے جناب شہرستانی نے تشکر و امتنان نامہ حضور والا کے لئے لکھا ہے بہرحال آپ کے مجاہدات و خدمات نے بلاد ایران و عراق میں بہت تیز پرتو ڈالا ہے اور راہ اسلام میں آپ کی زحمات کو اہل عراق و ایران منجملہ مغتنمات سمجھتے ہیں اور آپ کے دعاگو ہیں۔

(عبدالحسین رشتی) نجف اشرف

جناب صدر الملۃ دام ظلہ کے قدیم و جدید برکات

کشف الاشتباہ ۸/ مترجم و محشی از جناب صدر الملۃ دام ظلہ

زینۃ المجالس (دوسرا ایڈیشن) ۱۲/
تعلیم الشہداء ۲/ الاعتبار ۲/
اثبات الحجاب (دوسرا ایڈیشن) ۶/
تحقیق البیان در تعلیم نسوان ۳/
عناصر الایمان (مدح صحابہ) ۳/
جواہر بے بہا حصہ اول ۶/ حصہ دوم ۳/ حصہ سوم ۶/
یمین حقیقت (دوسرا ایڈیشن) ۱/
تحقیق دعا ۵/ تشریح الکبائر (دوسرا ایڈیشن) ۱/
سمط الدرر ۱/
التحق از جناب مولانا حکیم سید ابومحمد صاحب حصہ اول ۳/ حصہ دوم ۳/
ترجمہ ذخیرۃ العباد یعنی حضرت آیۃ اللہ سید ابوالحسن اصفہانی دام ظلہ کے مسائل کا ترجمہ ذخیرہ از مولانا سید شاکر حسین صاحب نوگانوی ۱۲/

سب کتابوں کے ملنے کا پتہ —— سید محمد سبطین مدیر دائرۃ الاشاعت نوگانواں ضلع مرادآباد۔ یو۔ پی

چند تیر بہدف اور مجرب ادویہ جن کا شہرہ دور دور سے ہے!

شربت الصالحین رضوی

جناب امام ضامن حضرت علی رضا علیہ السلام کا تجویز فرمودہ نسخہ جو اعراق منسوب رکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ ہارون رشید خلیفہ بغداد کی فرمائش پر تجویز ہوا تھا۔ طبیعت میں سرور دل میں امنگ قلب و دماغ کو تفریح و طاقت پیدا کرتی ہے۔ خون صالح پیدا کرکے مرض انیمیا کو دور کرتی ہے۔ نقرس وجع مفاصل خرابی الحال عرق النسا رعشہ فالج لقوہ استرخا کو دور کرتی ہے۔ اعصاب کو تقویت بخشتی ہے۔ گردہ مثانہ و اعضاء تناسل کو خاص طاقت بخشتی غرضکہ اکسیر اعظم ہے۔ ہر شخص بلا خوف خطر استعمال کر سکتا ہے۔

عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

قیمت فی بوتل .... للعہ

کیمیائے عشرت

جناب شفاء الملک مرحوم کا خاص خاندانی نسخہ ہے۔ اعضاء رئیسہ کیلئے ایک نایاب دوا ہے۔ مایوسی اور ناامیدی کو نشاط و کامرانی سے مبدل کرتا ہے دل و دماغ اعصاب کو خاص طاقت بخشتا ہے۔ قوت ماسکہ کو بڑھاتا اور اعضاء تناسل کو بیحد طاقت بخشتا ہے۔ یہ دوا صرف شاہزادگان اور والیان ملک کے لئے تیار ہوتی تھی اب دواخانہ معدن الادویہ مقدار کثیر میں تیار کرکے تاجرانہ اصول پر پبلک کے لئے بنا کرتا ہے ایک نسخہ کی مکمل تیاری میں صدہا روپیہ صرف ہوتا ہے۔ آج تک ایک شخص نے بھی ناکامی کی شکایت نہیں کی قیمت ۱۲ خوراک کی صرف چھ روپے مکمل کورس کی قیمت پچیس روپیہ عـــہ

بلسانی

سوزاک پرانا ہو یا نیا دونوں کے لئے اکسیر ہے فوراً آرام بخشتی ہے۔ مثانہ کی اکثر خرابیوں کا تیر بہدف علاج ہے۔ جریان اور سوزاک کو دور کرتی ہے ہزارہا مریض اس دوا سے ابتک فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ قیمت فی شیشی عـــہ

اکسیر معدہ

واقعی اپنے اثر میں اکسیر ہے۔ معدہ کے امراض کے لئے نایاب تحفہ ہے۔ قراقر شکم۔ کھٹی ڈکار بواسیر بادی۔ جلن سوزش معدہ و سینہ گرانی شکم سوء ہضم تخمہ میں فوراً فائدہ کرتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے۔ قبض کو گرم پانی سے دور کرتا ہے اسہال کو ٹھنڈے پانی کے ساتھ استعمال کرنے سے دفع کرتا ہے۔

گلرو

جناب شفاء الملک مرحوم کے پچاس سالہ تجربہ کا خلاصہ ہے قیمت فی شیشی ۵ تولہ ..... عـــہ

یہ موم روغن حسن و شگفتگی کو دوبالا کرتا ہے رنگ رخسار مثل گلاب کے شاداب بناتا ہے۔ مہاسہ۔ جھائیں۔ چھیپ۔ داغ دھبے۔ حصوہ۔ چیچک کے داغ دور کرتا ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنے.. .. .. عـــہ

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

بیسویں صدی کا مجدد اعظم ، ملک و قوم کی مردم شماری میں سیکڑوں برس کے بعد کہیں چند اہل نظر پیدا ہوتے ہیں ہندوستان میں حالیہ مردم شماری کے وقت ۳۸ کروڑ ہے کتنے انسان اس قابل ہیں جن پر اہمیت و عظمت کی نگاہ پڑتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہم میں غیر معمولی ہستیوں کی زندگی محفوظ کرنے کا کوئی ذوق و شوق نہیں ہے نہ تو ہم اہل دماغ کی زندگی میں قدر کرتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد ان کی سیرت و سوانح کی نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں فاضل جلیل مولانا محمد صغیر صاحب قبلہ مدیر مجاہد قابل صد آفرین ہیں کہ آپ نے سرکار ناصر الملۃ سوانح شائع کئے آپ نے موصوف کے علم و اخلاق اور قومی کارناموں پر نہایت جامعیت سے بحث کی ہے قیمت مع محصول ڈاک ۲ر منیجر کتب خانہ مجلس علمی مولوی حسن عباس کامون جی باغ مکہ سے طلب کیجئے

ضروری اطلاع

اسکے پڑھنے سے لاکھوں کا بھلا ہوگا

صاحبان:- نہ میں اشتہاری حکیم ہوں نہ ڈاکٹر بلکہ ایک معمولی آدمی ہوں بدقسمتی سے اپنے ہاتھوں اپنی جوانی کا ستیاناس کرنے کی عادت پڑ گئی تھی جس کے نتیجہ بد سے بالکل بے خبر تھا۔ اچانک عرصہ ڈیڑھ سال کے بعد مجھے نامردی کا نامبارک مرض لاحق ہوگیا۔ سرعت، جریان، احتلام وغیرہ کی بے انتہا شکایتوں کے سبب میرا چہرہ دن بدن لاغر اور زرد رہتا جاتا تھا۔ دیگر دل ہر وقت دھڑکتا۔ سر چکراتا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتا۔ گھبراہٹ سستی اداسی چھائی رہتی تھی۔ دوست احباب میری پژمردگی کا سبب پوچھتے تھے گر میں کسی کو اپنی حالت سے آگاہ نہ کرتا تھا۔ گر در پردہ مشہور شہروں میں بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں سے جن کے لمبے چوڑے اشتہاروں کی حد نہ تھی ادویات منگا کر استعمال کرتا رہا لیکن مجھے بالکل خاک بھی فائدہ نہ ہوا بلکہ علاوہ خرچ کے کئی اور تکلیفوں کا سامنا کر کے بھی مایوس ہی رہنا پڑا۔ اس مایوسی کی حالت میں زندہ درگور ہونے کو ترجیح دیتا تھا۔ اتفاقاً خوش قسمتی سے مجھے ایک ملازمت کے سلسلہ میں پشاور جانا پڑا۔ پشاور میں جس جگہ میں ٹھہرا وہاں ایک فقیر خضر صورت اور کامل سنیاسی سے اپنا دکھ کہہ ڈالنے کی ہمت کی۔ چنانچہ میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اب میں زندگی سے تنگ آکر خودکشی پر آمادہ ہو چکا ہوں۔ اس فقیر صاحب کمال نے ازراہ شفقت میرے حال زار پر رحم فرما کر ایک نسخہ کھانے کے لئے مقوی گولیوں کا اور دوسرا نسخہ رگوں اور پٹھوں کی سستی دور کرنے کے لئے مالش کا بتایا۔ چنانچہ میں نے حسب ارشاد اس صاحب کمال کے لاتعداد جنگلی جڑی بوٹیاں اور کئی ادویات بازار سے خرید کر ہر دو جوہر کیمیا کو روبرو اس صاحب کمال کے تیار کر کے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ناظرین! میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہتا ہوں کہ ساتویں روز سے ہی میری سب شکایتیں رفع ہونا شروع ہو گئیں اور اپنے آپ کو قابل فخر مرد کہنے کا مستحق ہو گیا۔ مجھے چند ہی روز کے استعمال سے ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ مگر حسب ارشاد اپنے محسن حقیقی خضر صورت کامل سنیاسی کے اکیس روز تک پرہیز اور علاج جاری رکھنا پڑا۔ ہر روز تین ساڑھے تین سیر دودھ بآسانی ہضم کر لیتا تھا۔ میرا چہرہ دن بدن بارونق۔ بدن مضبوط بینائی طاقتور ہو گئی اور اب میں ایسا قابل فخر مرد بن گیا ہوں جس کے بیان کرنے کی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ واپس آ کر باقی ماندہ دوائی کا نامردی کے مایوس مریضوں پر تجربہ کیا تو ہر قسم کی نامردی، سستی، جریان، احتلام، سرعت وغیرہ کے لئے اکسیر سے بڑھ کر پایا۔ پھر کئی ایک دوراندیش اصحاب کے اصرار اور عوام کے فائدہ کو مدنظر رکھ کر یہ اشتہار بغرض رفاہ عام دیا جاتا ہے کہ جو صاحب اس شرمناک قبیح عادت کے شکار ہو کر حظوظ انسانیت سے محروم ہو بیٹھے ہوں اور سینکڑوں روپیہ علاج معالجہ پر صرف کر کے مایوس ہو چکے ہوں۔ وہ اس قلیل القیمت

شرطیہ علاج اور شرطیہ وعدہ:- ہندو کو دھرم اور مسلمان کو ایمان کی قسم ہے کہ اگر میری دوا کے استعمال سے حسب دلخواہ فائدہ نہ ہو تو حلفی تحریر بھیجکر اپنی قیمت واپس منگالیں عدم صحت کی صورت میں کسی کا پیسہ رکھنا گناہ سمجھتا ہوں اگر کوئی صاحب اس دوا سے اب بھی فائدہ نہ اٹھائیں تو یہ ان کی قسمت: ہزاروں تعریفی سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔ جن کے لکھنے والے صاحبان کے علاوہ کئی ڈاکٹروں، حکیموں، اور ویدوں کی رائے ہے کہ دارالشفاء گولیاں اور روغن مالش طلاء تیر بہدف ہے۔

ضروری اطلاع:- یہ یاد رہے کہ میری یہ دوائی صرف نامردی، کمزوری، لاغری، جریان الرحم کے لئے مخصوص ہے یہ امراض خواہ کسی سبب سے ہوں جلق، کثرت مباشرت، عادت بد سے پیدا کی ہوئی کمزوری کے لئے اس کا استعمال کرنا طاقت کا بیمہ کرنا ہے اور یاد رہے نامردی کے سوائے میری دوائی اکسیر ہے

اور سریع الاثر دوائی کو استعمال کر کے صحت یاب ہو جاتیں اور خدا کے فضل کے گیت گائیں۔ قیمت صرف ۸ آنہ پیشگی اکتفا کرتی ہے۔ فائدہ بہت کم ملحوظ ہے۔ قیمت: قوی گولیاں فی شیشی تین روپیہ آٹھ آنہ۔ جریان کے لئے یہ گولیاں از حد مفید ہیں۔ مادر زاد نامردی کے سوا میری یہ دوائی خواہ کسی قسم کی نامردی کا مرض کیوں نہ ہو اکسیر ہے۔ روغن مالش طلا سے کسی قسم کی پھنسی یا آبلہ ہرگز نمودار نہ ہوگا۔ اس دوائی میں کشتہ وغیرہ کی آمیزش ہرگز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بچہ، جوان اور بوڑھا بآسانی بغیر لحاظ موسم کے ان گولیوں کا استعمال کر سکتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس دوائی کے بعد دوبارہ کسی دوائی کے استعمال کی ضرورت نہ ہوگی۔ آخر میں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس اشتہار کے نکالنے سے میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے اور نہ ہی میرا مدعا جعلی اشتہار شائع کرنے سے ہے۔ تندرست اور شوقین مزاج اصحاب بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کے استعمال سے جسمت اور جسیت سے طاقتور بن جاتا ہے۔ اگر بڑھاپے میں لطف جوانی اٹھانا چاہتے ہیں تو ان گولیوں اور روغن مالش طلا کا استعمال کریں۔ پرچہ ترکیب ہمراہ دوا ہوگا۔ محصولڈاک علاوہ ہر سہ ادویہ گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹرڈ ہیں۔ آرڈر دیتے وقت اپنا نام و پتہ صاف اور خوشخط لکھیں۔ ممالک غیر سے قیمت پیشگی۔

منیجر دار الشفا گولیاں رجسٹرڈ نمبر (۱) بٹالہ (پنجاب)

سید ظفر عباس فضل پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر نظارہ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے شائع کیا

قرآن مجید مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب (۵ رنگ سے ہر صفحہ چھپا ہوا)
مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ) غیر مجلد ... ... منسہ ر
قرآن مجید (مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب سادہ غیر مجلد تور دو پیپر دلعہ
مجلد عـہ ر مجلد حنا شدہ ... ... عـہ
حمائل شریف (مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب) کپڑے کی
نرم جلد حنا شدہ للعہ ر چمڑے کی نرم جلد او رچاندی کی بیل ضہ ر
چمڑے کی جلد سونے کی بیل ... ... سہ ر
بکس سلولائٹ للعہ ر بکس سادہ عہ ر غلاف ساٹن عہ ر
حمائل لاکٹ تعویذی۔ بچوں کے گلے میں ڈالنے کے لئے ۸ ر
وظائف الابرار کامل مصدقہ علمائے کرام اضافہ شدہ عہ ر
تحفۃ العوام معتبر دستخطی علمائے کرام غیر مجلد ۶ ر مجلد ۶ ر
مختار المسائل تمام مسائل ضروری کی مکمل کتاب عملیہ سرکار آقائے ابوالحسن اصفہانی ۶ ر
تحفۂ احمدیہ جلد سوم جسمیں بارہ ماہ کے مکمل اعمال ہیں غیر مجلد عہ ر
صحیفہ کاملہ مترجم مطبوعہ نظامی پریس غیر مجلد ... سے ر
ذخیرہ مناقب مع منقبند ملا کاشی غیر مجلد ۱۲ ر مجلد عہ ر
حدیث کسا مترجم دعائے مشلول مترجم دعائے کمیل مترجم دعائے نور کلاں مترجم
دعائے یستشر و دعائے مجیر دو ۲ ر دعائے اویس قرنی تصحیح الاعمال استخارہ سجادیہ
دینیات کی پہلی کتاب (از مولانا فرمان علی صاحب) دوسری۔ تیسری۔ شیعہ بچوں کی نماز
اصول دین از مولانا سید سبط حسن صاحب جناب سیدہ اور انکی سادہ زندگی محاربہ حق و باطل
تاریخ احمدی۔ مولفہ نواب صاحب بریانواں (چند نسخے اور باقی ہیں) غیر مجلد صہ ر
سپہر امامت کے بارہ برج۔ از نواب صاحب بریانواں ۷ ر
الامامۃ والخلافۃ " " " " ۱۳ ر
کحل الانظار (ترجمہ اردو نور الابصار) امام حسین کی اپنے قاتلوں کے متعلق
پیشینگوئیاں اور ان کے نتائج ... ... ۱۲ ر
البحث العجیب علامہ حافظ عثمانی اور شیخ جعفر کی حضرت علی کی فضیلت کے متعلق بحث ۱۲ ر
خصائص مرتضوی اس کتاب کی تصنیف پر امام نسائی کو شہید کر دیا گیا ۱۲ ر

چہاردہ معصومین کی سوانح عمریاں ۱۴ جلدیں ۱۴ جلد (مطبوعہ نظامی پریس)
مولفہ شمس العلماء مولانا ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی - یہ جلدیں اس قابل ہیں کہ
آپ اپنے خاندان کے بچوں بچیوں اور عورتوں کو انکا مطالعہ کرائیں انشاء اللہ انکے
گھر میں انکا وجود دنیا و آخرت کے سنوارنے کا ذریعہ ہوگا ۱۴ جلدیں غیر مجلد ...
مجلد لعہ ر و عـہ
الکاظم سوانح عمری حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تصنیف مولانا سبط حسن صاحب عہ ر
ابوطالب از حضرت مولانا سید ظفر مہدی صاحب قبلہ غیر مجلد ... ۸ ر مجلد عـہ
اسوۃ الرسول جلد سوم از مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی صہ ر
اسوۃ الرسول جلد چہارم " " " " ۶ ر
قرآن مجید اور اقتصادیات ۴ ر رسالہ ہاجری از حضرت فوق ۴ ر
قصائد چہاردہ معصومین جدید و قدیم شعرا کے قصائد کا مجموعہ غیر مجلد ۶ ر
صحیفہ ولا یا قصائد عزیز مرزا محمد ہادی عزیز کے قصائد کا مجموعہ غیر مجلد سہ ر
مناقب علی مجموعہ قصائد شاہ فریدالدین عبدالشکور فرید مانکپوری ... ۸ ر
حیات القلوب اردو (جلد اول) حضرت آدم سے حضرت خضر تک کے مفصل حالات سہ ر
امامۃ القرآن از مولانا ہارون صاحب زنگی پوری غیر مجلد .. ۶ ر
روضۃ الصادقین .. .. .. غیر مجلد ۶ ر
آیات محکمات جلد دوم حصہ دوم .. .. .. صہ ر
تاریخ الاسماء تاریخی نام نکالنے کی بے مثل کتاب ۱۳ ر
حدیث غدیر کی سرگذشت از سید سبط حسن صاحب قبلہ ۶ ر
اسم اعظم۔ حضرت علی علیہ السلام کی سوانح عمری غیر مجلد ۱۲ ر مجلد عہ ر
نظامی جنتری سنہ ۱۹۴۰ء ... ... ۸ ر
نظامی جنتری سنہ ۱۹۴۱ء ... ... ۸ ر
نظامی جنتری سنہ ۱۹۴۲ء ... ... ۸ ر
نظامی جنتری سنہ ۱۹۴۳ء ... ... ۸ ر
ہر قسم کے نوحے اور مراثی اور ذاکری کی کتابیں چھوٹی اور بڑی
مجلسوں میں پڑھنے کے لئے نظامی پریس بک ایجنسی سے طلب کیجئے

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۶۲